فاتحۃ الکلام فی القراءۃ خلف الامام

مؤلف:

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی قدس سرہ

مقتدی اور سورۃ فاتحہ کی قرات

حنفی مذہب کا موقف کتاب و سنت کی روشنی میں!

بڑی عجیب بات یہ ہے کہ اہل ظاہر حدیث عبادہ میں الا بام القرآن کی زیادت پر تو اتنا زور دیتے ہیں حالانکہ محمد بن اسحٰق کے سوا اس کا کوئی راوی نہیں اور ایسی حدیث میں فصاعدا کی زیادت کو نہیں مانتے حالانکہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں اس کو روایت کیا اور صحیح قرار دیا ہے اور ابوداؤد نے بھی اس کو صحیح سند سے روایت کیا ہے حدیث کے پورے الفاظ یہ ہیں:۔

عن عبادۃ بن الصامت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بام القرآن فصاعدا۔

عبادہ بن الصامت کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سورۃ فاتحہ اور کچھ زیادہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہے۔ اب اگر اس سے مقتدی کے ذمہ فاتحہ پڑھنے کو واجب کہا جائے گا تو کچھ زیادہ پڑھنے کو بھی واجب کہنا پڑے گا کیونکہ حدیث میں زیادہ پڑھنے کا بھی حکم موجود ہے حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں۔ اس پر بعض محدثین کا یہ کہنا کہ لفظ فصاعدا کو صرف

معمر نے تنہا زیادہ کیا ہے درست نہیں کیوں کہ ابوداؤد کی سند میں سفیان بن عینیہ نے بھی معمر کی موافقت کی ہے وہ بھی زہری سے معمر کی طرح روایت کرتے اور فصاعدا بڑھاتے ہیں پھر صالح (بن کیسان) اور امام اوزاعی اور عبدالرحمٰن بن اسحٰق وغیرہ جیسے ثقات نے بھی زہری سے اسی طرح روایت کیا ہے جیسا معمر نے بیان کیا ہے اور اس کی تائید ابوسعید خدری کی حدیث بھی کر رہی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:-

امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نقرأ بفاتحۃ الکتاب وما تیسر واسنادہ صحیح عند ابی داؤد۔

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سورۂ فاتحہ پڑھنے اور اس کے ساتھ) جو آسان ہو پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ اس کو ابوداؤد نے صحیح سند سے روایت کیا ہے اور ترمذی و ابن ماجہ نے اسی حدیث کو اس طرح روایت کیا ہے۔ لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بالحمد وسورۃ۔ اس شخص کی نماز نہیں جو الحمد اور ایک سورۃ نہ پڑھے۔ اس کی سند حسن ہے پس یہ دعویٰ قابل تسلیم نہیں کہ معمر نے تنہا زیادتی کی ہے پھر معمر کا درجہ حفظ و اتقان میں محمد بن اسحٰق سے بہت بلند ہے یہ امر انصاف سے بعید ہے کہ ابن اسحٰق کی زیادت کو قبول کیا جائے اور معمر کی زیادت کو رد کیا جائے۔ تو اب اہل ظاہر کو اس کا قائل ہونا چاہیے کہ امام کے ساتھ مقتدی کے ذمہ سورۂ فاتحہ اور ایک سورت یا دو تین آیتیں پڑھنا بھی واجب ہے۔ حالانکہ وہ اس کے قائل نہیں۔ پس ہمارا مدعا ثابت ہو گیا کہ حضرت عبادہ کی حدیث مقتدی کے بارے میں نہیں بلکہ امام اور منفرد کے حق میں ہے کہ ان پر سورۂ فاتحہ اور ایک سورت یا دو تین آیتیں پڑھنا واجب ہے مقتدی کے ذمہ امام کے ساتھ قرأت واجب نہیں اور اگر کسی لفظ سے وجوب کا شبہ بھی ہوتا تھا تو حدیث عبادہ میں ابوداؤد کے اس لفظ سے ہر شبہ دور ہو گیا (ان کنتم لابد فاعلین فلا تفعلوا الا بام القرآن دفیض ص ۲۷۳ ج ۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم ضروری امام کے پیچھے قرأت کرنا چاہتے ہو تو سورۂ فاتحہ کے سوا نہ پڑھو۔ اس سے ہر شخص خود ہی فیصلہ کر سکتا ہے کہ یہ عنوان وجوب کا ہے یا محض جواز کا۔ پھر جواز کو بھی سکتہ امام کے ساتھ مقید کرنا ضروری ہے کیونکہ جہری نماز میں ساتھ ساتھ قرأت کرنا نص قرآن اور حدیث انصات کے خلاف ہو گا۔ تیسری دلیل صاحب تکمیل نے یہ بیان کی ہے۔

عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلی صلوٰۃ لم یقرأ فیہا بام القرآن فہی خداج ثلاثا غیر تمام فقیل لابی ہریرۃ انا نکون وراء الامام فقال اقرأ بہا فی نفسک (مسلم شریف)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی ایسی نماز پڑھے جس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے وہ نماز ناقص ہے (تین بار فرمایا) کامل نہیں۔ ابوہریرہ کے شاگرد نے کہا کہ ہم (کبھی) امام کے پیچھے ہوتے ہیں تو ابوہریرہ رض نے جواب دیا کہ (ایسی حالت میں) سورۂ فاتحہ اپنے دل میں پڑھ لیا کرو۔ اس کے بعد مؤلف نے لفظ خداج اور تمام کے معنی میں بحث کی ہے مگر ہر سمجھدار آدمی سمجھ سکتا ہے کہ حدیث کا جتنا حصہ مرفوع ہے اس میں مقتدی کا کوئی ذکر نہیں۔ اور حضرت ابوہریرہ کے شاگرد کا سوال بتلاتا ہے کہ مقتدی کے ذمہ قرأت کا واجب ہونا اس کے نزدیک بھی حدیث سے مفہوم نہیں ہوا اور نہ قرأت خلف الامام اس کے نزدیک معروف تھی اسی لئے تو سوال کی ضرورت ہوئی پھر حضرت ابوہریرہ رض کے جواب کو مؤلف نے اس پر محمول کیا ہے کہ امام کے پیچھے آہستہ سورۂ فاتحہ پڑھی جائے۔ مگر اقرأ بہا فی نفسک اس مفہوم میں صریح نہیں ہمارے نزدیک مطلب یہ ہے کہ دل دل میں پڑھ لیا کرو۔ اور ہم بتلا چکے ہیں کہ عرفاً قرأت قلبی کو بھی قرأت کہا جاتا ہے۔ اس حدیث سے سورۂ فاتحہ کی رکنیت ثابت کرنا اور مقتدی کے ذمہ امام کے پیچھے اس کو واجب کرنا زبردستی ہے۔

حنفیہ وغیرہ کی عبارتیں پیش کرنا اور شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے قول سے استدلال کرنا ظاہر یہ کو زیب نہیں دیتا اگر ان حضرات کے اقوال

(نوٹ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں)

معلوم ہوتا ہے کہ بغیر فاتحہ کے نماز نہیں ہوتی ہے
حجت ہیں تو دوسرے علماء کے اقوال بھی حجت ہونا چاہئیں۔ جو فرماتے ہیں کہ اس سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ بغیر فاتحہ کے نماز نہیں
ہوتی ہے فاتحہ کی رکنیت پر کوئی دلالت نہیں بغیر فاتحہ کے نماز کو باطل کہنا حدیث کے خلاف ہے اس سے صرف فاتحہ کا وجوب
ثابت ہوتا ہے اور حنفیہ قرأت فاتحہ کو امام اور منفرد پر واجب کہتے ہیں۔ اور مقتدی کے لئے امام کی قرأت کافی ہے کہ امام کی قرأت
کے ذریعے سے حکماً قاری ہے جیسا مفصل گذر چکا ہے حدیث مسلم ابوداؤد میں صراحۃً مقتدی کو خاموش رہنے کا حکم ہے اذا
قرأ فانصتوا۔ یہی قرآن میں حکم ہے واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا پس جواب ابوہریرہ کا یہ مطلب نہیں کہ امام کے ساتھ
قرأت کرو بلکہ مطلب یہ ہے کہ دل دل میں پڑھتے رہو یا امام سے پہلے اور اس کے سکتات میں تنہا پڑھ لو ساتھ نہ پڑھو
اور فی نفسک کے معنی تنہا کے بھی آتے ہیں جیسا حدیث صحیح قدسی میں وارد ہے۔ من ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی ومن ذکرنی
فی ملاء ذکرتہ فی ملاء خیر من ملاۃ۔ جو مجھے تنہا یاد کرے میں اس کو تنہا یاد کرتا ہوں اور جو مجھے جماعت میں یاد کرے میں اس کو جماعت
سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں اس حدیث میں فی نفسہ کے معنی تنہا ہیں جیسا جماعت کے مقابلہ سے واضح ہے پس ابوہریرہ کے جواب کا
بھی یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ امام کے پیچھے تم تنہا سورۂ فاتحہ پڑھ لیا کرو اس کے ساتھ ساتھ نہ پڑھو اور اس کو کوئی منع نہیں کرتا اور
اس تاویل کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس کو امام بیہقی نے جزء القرأت صفحہ ۵۴ میں اور حاکم نے مستدرک صفحہ ۲۳۹ ج ۱ میں
حضرت ابوہریرہ ہی سے بایں الفاظ روایت کی ہے۔

من صلی صلوٰۃ مکتوبۃ مع الامام فلیقرأ بفاتحۃ الکتاب فی سکتاتہ اھ

ملہ حجۃ اللہ البالغہ کا مطالعہ کرنے والا خوب جانتا ہے کہ شاہ صاحب فرض اور واجب دونوں کو رکن کہدیتے ہیں ملاحظہ ہو صفحہ ۹۵ ج ۱
جس میں ضم سورت کو بھی رکن قرار دیا ہے حالانکہ ضم سورت کسی کے نزدیک بھی فرض نہیں صرف حنفیہ کے نزدیک واجب ہے شاہ صاحب نے
حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۷ ج ۲ میں فرمایا ہے وان کان ماموما وجب علیه الانصات والاستماع فان جهر الامام لم یقرأ الا عند الاسکات
وان خافت فله الخیرۃ فان قرأ فلیقرأ الفاتحة قراءة لا یشوش علی الامام وهذا اولی الاقوال عندی وبه یجمع بین احادیث الباب
والسر فیه ما نص علیه من ان القراءة مع الامام تشوش علیه وتفوت التدبر وتخالف تعظیم القرآن ولم یعزم علیهم ان
یقرأ ومن الان العامة متی الاددان یصحوا الحروف باجمعهم کانت لهم لجة مشوشة اھ۔

(ترجمہ) اگر نمازی مقتدی ہو تو اس پر خاموش رہنا اور سننا واجب ہے اگر امام (قرأت) جہراً کر رہا ہے تو مقتدی
قرأت نہ کرے مگر سکتہ کے وقت اور اگر قرأت سری کر رہا ہے تو مقتدی کو اختیار ہے اگر قرأت کرنا چاہے تو سورۂ فاتحہ اس طرح پڑھے
کہ اس کی قرأت سے امام کو تشویش نہ ہو۔ میرے نزدیک سب اقوال میں یہ سب سے بہتر ہے کہ جہری نماز میں مقتدی سکتۂ امام
میں قرأت کرے اور سری میں تشویش سے بچ کر قرأت کرے۔
اسی طرح اس باب کی تمام حدیثوں کو جمع کیا جا سکتا ہے اور اس میں راز یہ ہے جس کی تصریح بھی حدیث میں ہے کہ امام کے ساتھ
قرأت کرنا اس کو مشوش کرتا ہے اور اس سے تدبر فی القرآن فوت ہوتا ہے اور یہ صورت تعظیم قرآن کے بھی خلاف ہے اور سری نماز
میں بھی مقتدیوں پر لازم نہیں کی گئی کیونکہ عوام جب سب مل کر صحیح طور سے حروف کو ادا کرتے ہیں تو اس سے بھی ایک تشویشناک
گونج پیدا ہوتی ہے اھ۔ یہ ہے شاہ ولی اللہ صاحب کا مسلک قرأت خلف الامام کے بارے میں اگر ان کا قول حجت ہے تو ہمارے
تکمیل کو آگے کچھ بولنے کا حق نہیں ۱۲ ظ

جبکہ فرض نماز امام کے ساتھ پڑھے وہ اس کے سکتات میں سورۂ فاتحہ پڑھے بیہقی نے تسلیم کیا ہے کہ مرفوعاً یہ حدیث صحیح نہیں موقوفاً صحیح ہے یعنی یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں بلکہ حضرت ابوہریرہ رض کا قول ہے جس سے یہ امر واضح ہو گیا کہ حضرت ابوہریرہ رض امام کے ساتھ قراءت مقتدی کو جائز نہیں سمجھتے سکتات میں جائز کہتے ہیں یہی ہمارا قول ہے۔

(تنبیہ) مؤلف تکمیل البرہان نے حدیث ابوہریرہ کی بحث میں بلا وجہ حدیث عبادہ رض کے متعلق ایک بحث چھیڑ دی ہے کہ مولانا احمد علی صاحب حنفی (محدث) سہارنپوری نے حدیث عبادہ رض کی سند میں نافع بن محمود کی وجہ سے کلام کیا ہے کہ وہ مستور الحال ہے حالانکہ مستور کی روایت امام ابوحنیفہ کے نزدیک مقبول ہے پھر عبادہ کی روایت کو امام ابوداؤد چار طرق سے لائے ہیں ان چاروں میں سے صرف ایک سند میں نافع بن محمود ہے پھر نافع بن محمود کو امام ذہبی نے کاشف میں ثقہ کہا ہے اور دارقطنی نے اس کی سند کو حسن اور راویوں کو ثقہ کہا ہے (جس سے نافع کا ثقہ ہونا ہی لازم آگیا) اور ابن حبان نے بھی اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے الخ اس طویل کلام کا جواب یہ ہے کہ مولانا احمد علی صاحب نے وہی کیا ہے جو موفق ابن قدامہ حنبلی نے کتاب المغنی میں فرمایا ہے کہ حدیث عبادہ رض میں یہ زیادت کہ "مگر امام کے پیچھے فاتحہ پڑھ لیا کرو" الخ صرف ابن اسحق روایت کرتا ہے اور ابوداؤد نے اس کو نافع بن محمود سے بھی روایت کیا ہے اور وہ ابن اسحق سے بھی ادنیٰ ہے کیونکہ اہل حدیث کے نزدیک غیر معروف ہے۔ جیسا ہم تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔ پھر امام احمد اور یحییٰ بن معین نے بھی اس زیادت کو ضعیف کہا ہے اور ابن حبان نے اگرچہ نافع کو کتاب الثقات میں داخل کیا ہے مگر اس کی حدیث کو معلل کہا ہے اور اس ایک حدیث کے سوا نافع سے اور کوئی روایت نہیں ان حضرات کے سامنے دارقطنی کی توثیق و تحسین کا جو درجہ ہے اہل علم خود سمجھ سکتے ہیں علامہ ابن تیمیہ نے بھی اس کو ضعیف کہہ کر فیصلہ کر دیا ہے کہ یہ حضرت عبادہ رض کا قول ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں ہے .... پھر ہم بتلا چکے ہیں کہ اس حدیث کے تمام طرق کو دیکھنے سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس کی سند میں بہت اضطراب ہے اور حدیث مضطرب بغیر رفع اضطراب کے کسی کے نزدیک بھی حجت نہیں بن سکتی اور علت اضطراب کے رفع کرنے کی وہی صورت ہے جو امام بخاری اور مسلم نے اختیار کی ہے کہ اس حدیث کا وہی حصہ صحیح میں داخل کیا جس کو ثقات نے روایت کیا ہے۔ جس میں امام اور مقتدی کا کوئی ذکر نہیں اور جس حصہ کے راوی محمد بن اسحق اور نافع بن محمود جیسے ہیں اس کو صحیح میں شامل نہیں کیا۔ اور اصول حدیث میں طے ہو چکا ہے کہ جب حدیث مضطرب کے چند طرق میں سے ایک طریق راجح ہو جائے وہی مقبول ہوگا بقیہ طرق مردود ہونگے پس مولانا احمد علی صاحب حنفی محدث سہارنپوری نے کوئی مغالطہ نہیں دیا خود صاحب تکمیل البرہان ہی جاہلوں کو دھوکہ دے رہے ہیں۔

چوتھی دلیل صاحب تکمیل کی وہ ہے جس کو ہم مجمع الزوائد کے حوالہ سے اوپر بیان کر چکے ہیں کہ ایک صحابی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا شاید تم امام کے ساتھ ساتھ قراءت کرتے ہو تین بار دریافت فرمایا صحابہ نے کہا بے شک ہم ایسا کرتے ہیں فرمایا ایسا نہ کرو مگر یہ کہ کوئی سورۂ فاتحہ اپنے دل میں پڑھ لے الخ جاہلوں کو دھوکہ دینے کے لئے صاحب تکمیل نے اس حدیث کو اپنی دلیلوں میں شامل کر لیا حالانکہ یہ حنفیہ کی دلیل ہے کیونکہ حضور رم کا صحابہ سے یہ دریافت کرنا کیا تم امام کے ساتھ قراءت کرتے ہو؟ خود بتلا رہا ہے کہ امام کے ساتھ مقتدی کا پڑھنا حضور رم کو گوارا نہ تھا اور صحابہ کا بحالت اقتداء قراءت کرنا حضور رم کی اجازت سے نہ تھا جبھی تو سوال کی نوبت آئی اس پر بعض اہل حدیث کا یہ کہنا کہ یہ سوال قراءت فاتحہ سے نہ تھا بلکہ سورۂ فاتحہ سے زیادہ قراءت کے متعلق تھا غلط ہے۔ کیونکہ دارقطنی کے الفاظ ہیں:۔

هل منكم من احد يقرأ شيئا من القرآن وحسنه (فیض الباری ص ۲۷۳ ج ۲)

کیا تم میں سے کسی نے قرآن میں سے کچھ پڑھا ہے؟ دارقطنی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ اور اس لفظ کا فاتحہ و غیر فاتحہ کو عام ہونا

ظاہر ہے۔ اس کے بعد آپ کا ارشاد الا ان یقرأ احدکم بفاتحۃ الکتاب فی نفسہ بھی ہماری دلیل ہے کیوں کہ اس میں فی نفسہ کی قید موجود ہے کہ سورۂ فاتحہ دل دل میں پڑھ لیا کرو۔ یا اس کے معنی منفرد کے ہیں یعنی امام کے ساتھ نہ پڑھو اس سے پہلے یا اس کے سکتہ میں پڑھ لیا کرو۔ اور ہم حدیث قدسی سے فی نفسہ کا بمعنی منفرد آنا بتلا چکے ہیں۔ مؤلف تکمیل کا یہ دعویٰ کہ فی نفسہ کے معنی آہستہ پڑھنے کے ہیں قابل قبول نہیں علماء مالکیہ میں سے بعض اجلہ علماء نے حدیث ابوہریرہ رض اقرأ بھا فی نفسک کی تفسیر میں یہی کیا ہے کہ سورۂ فاتحہ دل دل میں پڑھ لیا کرو (شرح مسلم للنووی وفتح الملہم) پھر ہم بتلا چکے ہیں کہ نہی کے بعد استثنار وجوب کے لئے نہیں ہوتا صرف اباحت کے لئے ہوتا ہے تو اس حدیث سے مقتدی کے لئے قرارت فاتحہ کا صرف جواز ثابت ہوگا نہ کہ وجوب اور یہ صاحب تکمیل کے لئے مضر ہے کیوں کہ وہ تو فرضیت اور رکنیت کے مدعی ہیں اور اس حدیث سے مقتدی کے حق میں رکنیت تو کجا وجوب بھی ثابت نہیں ہوتا۔

پانچویں دلیل حضرت انس رض کی حدیث ہے جس کا مضمون وہی ہے جو اس سے پہلی حدیث میں صحابی مجہول کی حدیث کا ہے اس میں بھی وہی فی نفسہ کا لفظ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تین بار دریافت فرمانا بھی کیا تم نماز میں امام کے ساتھ ساتھ قرارت کرتے ہو؟ ہم بتلا چکے ہیں کہ یہ حدیث اصل میں حنفیہ کی دلیل ہے جس کو بطور مغالطہ کے اہل ظاہر اپنی دلیل بنانا چاہتے ہیں۔ پھر ابن حبان نے کتاب الضعفار میں ابن سالم کے واسطے سے حضرت انس رض سے روایت کیا ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کان لہ امام فقرأت الامام لہ قرارت ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے لئے کوئی امام ہو (اور یہ اس کا مقتدی ہو) تو امام کی قرارت اس کے لئے بھی قرارت ہے ابن حبان نے ابن سالم میں کلام کیا ہے مگر تقریب میں اس کو ثقہ کہا ہے۔ اور تہذیب التہذیب میں ہے قال ابوحاتم لاباس بہ صنئنا ج ۹ ابوحاتم نے کہا اس میں کوئی بات نہیں ہے ۔ اور یہ لفظ توثیق کے لئے مستعمل ہے اگر نافع بن محمود کو ذہبی کے قول سے ثقہ کہا جاسکتا ہے تو ابن سالم کو ابوحاتم کے قول سے بدرجۂ اولیٰ ثقہ کہا جائے گا پس دونوں حدیثوں کے ملانے سے ہمارے قول کی تائید ہوتی ہے کہ اس حدیث سے مقتدی کے لئے صرف جواز قرارت ثابت ہوتا ہے وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ اور جواز بھی اس طرح کہ دل دل میں پڑھے یا امام سے پہلے یا سکتۂ امام میں پڑھے ساتھ ساتھ نہ پڑھے۔

چھٹی حدیث صاحب تکمیل نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میرے پیچھے قرارت کرتے ہو؟ صحابہ نے کہا ہاں ہم جلدی جلدی پڑھتے جاتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا ایسا نہ کرو مگر سورۂ فاتحہ (پڑھ لیا کرو) پھر عون المعبود سے نقل کردیا کہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند امام بخاری وغیرہ کے نزدیک حجت ہے۔ مغالطہ دیدہ دھوکہ دینا اسی کا نام ہے ان کو عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کا حجت ہونا بعد میں ثابت کرنا تھا پہلے یہ بتلانا ضروری تھا کہ امام بخاری یا بیہقی سے عمرو بن شعیب تک راویوں کا کیا حال ہے؟ اگر جزء القرارت بخاری اور بیہقی کو اچھی طرح دیکھ لیا جاتا تو معلوم ہوجاتا کہ عمرو بن شعیب سے روایت کرنے والا ضعیف ہے قال البیہقی ومحمد بن عبیداللہ بن عمیر وان کان غیر محتج بہ وکذٰلک بعض من تقدم ممن رواہ عن عمرو بن شعیب فلقرارت الماموم فاتحۃ الکتاب فی سکتۃ الامام شواھد صحیحۃ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ خبرا عن فعلھم ۔ وعن ابی ھریرۃ وغیرہ من فتواھم (ص۵۴)

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اگرچہ محمد بن عبیداللہ بن عمیر سے حجت نہیں قائم ہوسکتی (کیوں کہ وہ ضعیف متروک ہے بعض محدثین نے اس کو کاذب بھی کہا ہے (لسان ص۲۱۶ ج۵) اسی طرح بعض اور لوگ بھی جو اس کو عمرو بن شعیب سے روایت کرتے ہیں (ان سے بھی حجت قائم

نہیں ہو سکتی) مگر امام کے سکتہ میں مقتدی کی قرات فاتحہ کے لئے عبداللہ بن عمرو اور ابو ہریرہ وغیرہ سے صحیح روایات میں ان کے فعل اور فتوی کا بیان موجود ہے اھ۔

اس میں امام بیہقی نے فیصلہ فرما دیا کہ عبداللہ بن عمرو اور حضرت ابو ہریرہ وغیرہ سے اس باب میں حدیث مرفوع ثابت نہیں صرف ان کا فعل اور فتوی کا ثابت ہے اور وہ بھی مطلقاً نہیں بلکہ امام کے سکتہ میں مقتدی کی قرات کو جائز فرماتے ہیں اور اس سے حنفیہ بھی منع نہیں کرتے وجوب پر کوئی دلیل نہیں۔ جیسا مفصل بیان گزر چکا۔ پس یہ بھی ہماری دلیل ہے۔

ساتویں دلیل میں عبادۃ بن الصامت رض کی حدیث ہی کو پھر بیان کر دیا ہے حالانکہ حدیث پڑھنے پڑھانے والے جانتے ہیں کہ جب صحابی ایک ہے تو حدیث ایک ہوگی اس کو چند احادیث قرار دینا صحیح نہیں ہم بتلا چکے ہیں کہ حدیث عبادۃ مضطرب ہے اس کے طرق میں سے اگر کسی طریق کو ترجیح نہ ہوتی تو وہ قابل قبول ہی نہ ہوتی مگر جب ایک طریق کو ترجیح دے دی گئی تو وہی طریق حجت ہے بقیہ طرق حجت نہیں ہو سکتے اور ان طرق میں سے وہی طریق راجح ہے جس کو امام مسلم و بخاری نے صحیح میں اختیار کیا ہے اور اس میں مقتدی یا امام کا کچھ ذکر نہیں صرف اتنا مضمون ہے کہ جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں اور اس سے کسی کو انکار نہیں امام اور منفرد پر ہمارے نزدیک بھی قرات فاتحہ واجب ہے اور اسی معنی پر اس حدیث کو امام احمد بن حنبل اور سفیان بن عیینہ اور امام زہری جیسے ائمہ حدیث نے محمول کیا ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ صحابی اور دوسرے صحابہ نے بھی اس کا یہی مطلب سمجھا ہے۔ اس طریق صحیح کے علاوہ حدیث عبادہ رض کے جتنے بھی طرق ہیں سب مرجوح اور ناقابل قبول ہیں پھر جس کتاب سے حدیث کے یہ الفاظ تکمیل البرہان میں نقل کئے گئے ہیں وہاں سے تصحیح اور تضعیف کچھ نقل نہیں کی گئی اور جس کتاب سے حدیث کی توثیق نقل کی گئی ہے اس سے حدیث کے الفاظ نہیں لئے گئے۔ کیونکہ اس کے الفاظ مؤلف تکمیل کے خلاف اور حنفیہ کے لئے مفید تھے۔ مجمع الزوائد کے الفاظ یہ ہیں:-

من قرأ خلف الامام فليقرأ بفاتحة الكتاب (ص ۱۸۶ ج ۲) یعنی جو شخص امام کے پیچھے قرات کرے وہ سورۂ فاتحہ پڑھ لے اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام کے پیچھے قرات فاتحہ لازم نہیں جو پڑھنا چاہے وہ پڑھ سکتا ہے اور ہم حضرت ابو ہریرہ اور عبداللہ بن عمرو بن العاص کی روایتوں سے ثابت کر چکے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مقتدی اپنے دل میں سورۂ فاتحہ پڑھ لے یا امام کے سکتہ میں پڑھ لے اور اس کو کوئی بھی منع نہیں کرتا۔

حدیث نویں اور دسویں۔

اس کے بعد نویں اور دسویں حدیث بھی حضرت عبادہ رض ہی کی حدیث ہے اور دونوں جزء القرات بیہقی سے نقل کی گئی ہیں۔ میں بتلا چکا ہوں کہ حدیث عبادہ حدیث مضطرب ہے اور حدیث مضطرب کے جس طریق کو ترجیح ہو جائے وہی مقبول باقی ناقابل قبول ہیں اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ اس حدیث کا وہی طریق راجح ہے جس کو امام بخاری و مسلم نے اختیار کیا ہے۔ پھر صاحب تکمیل نے اس حدیث کو جزء القرات بیہقی سے نقل تو کر دیا مگر یہ نہ دیکھا کہ جس وقت محمد بن سلیمان بن فارس نے اس حدیث کو ان الفاظ سے بیان کیا ہے لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب خلف الامام اسی وقت ابو الطیب محمد بن احمد ذہلی نے ان کو ٹوکا قال قلت لمحمد بن سليمان خلف الامام قال خلف الامام ص ۴۷ کیا اس حدیث میں خلف الامام بھی ہے؟ کہا ہاں۔ اور محمد بن احمد ذہلی ثقہ ہے اس کا اس لفظ پر انکار کرنا خود بتلاتا ہے کہ اس کے نزدیک یہ زیادت منکر ہے جس کا قرینہ یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں امام زہری بھی ہیں اور زہری کا مذہب مؤطا امام مالک وغیرہ سے معلوم ہو چکا ہے

کہ ان کے نزدیک جہری نماز میں مقتدی کو امام کے ساتھ قراءت جائز نہیں۔ تفسیر طبری میں بھی بروایت ثقات زہری کا یہ قول مروی ہے کہ جس نماز میں امام جہر کرتا ہے مقتدی قراءت نہ کرے اگرچہ امام کی قراءت نہ سنے ہاں جس نماز میں امام جہر نہ کرے مقتدی اپنے دل میں آہستہ قراءت کرے جس نماز میں امام جہر کرے اس میں کسی کو قراءت جائز نہیں نہ زور سے نہ آہستہ ص۱۱۱ ج۱۲ اگر اس حدیث میں انھوں نے لفظ خلف الامام روایت کیا ہوتا تو جہری نماز میں امام کے پیچھے قراءت کرنے سے کیوں منع کرتے؟ پس یا تو یہ زیادت شاذ ہے جیسا ابوالطیب ذہلی کے سوال سے مفہوم ہو رہا ہے یا یہ حدیث مسبوق کے متعلق ہے جو امام کے بعد اپنی بقیہ رکعتیں پوری کرتا ہے مطلب یہ ہے کہ مسبوق اگر امام کے بعد بقیہ رکعتیں ادا کرتے ہوئے سورۂ فاتحہ نہ پڑھے گا تو اس کی نماز نہ ہوگی اور مسبوق پر ہم بھی سورہ فاتحہ کی قراءت کو واجب کہتے ہیں اور لفظ خلف کا معنی بعد میں مستعمل ہونا قرآن سے ثابت ہے ملاحظہ ہو تفسیر آیت فجعلناها نكالا لما بين يديها وما خلفها۔ (ہم نے اس واقعہ کو عبرت بنا دیا ان لوگوں کے لئے جو اس کے سامنے تھے اور ان لوگوں کے لئے جو اس کے بعد آنے والے تھے۔ تفسیر طبری ص۲۶۵ ج۱) رہا امام بیہقی کا یہ فرمانا کہ اس کی سند صحیح ہے تو اس سے حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا کیوں کہ حدیث شاذ وہی ہے جس کے راوی سب ثقہ ہوں مگر کسی ثقہ نے جماعت ثقات کے خلاف کیا ہو۔ پھر امام بیہقی کا یہ فرمانا کہ اس حدیث میں خلف الامام کی زیادتی ویسی ہی ہے جیسی مکحول کی روایت میں (لا تقرأ الا بام القرآن کی) زیادتی ہے تو مکحول کی اس زیادت کا حال ہم بتلا چکے ہیں کہ امام احمد اور یحییٰ بن معین وغیرہ ائمہ حدیث نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ پھر یہ فرمانا کہ یہ حضرت عبادہ رض سے بوجوہ چند صحیح مشہور ہے تو یہ وہی بات ہے جو علامہ ابن تیمیہؒ نے فرمائی ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت عبادہ رض کا قول ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں سو اس کا ہم نے کب انکار کیا ہے کہ بعض صحابہ قراءت خلف الامام کے قائل تھے مگر چونکہ ان کا قول خلاف نص قرآن اور خلاف حدیث صحیح ہے اس میں تاویل کی جائے گی کہ وہ دل دل میں سورۂ فاتحہ پڑھتے ہونگے یا سکتہ امام میں، اور ترجیح ان صحابہ کے قول کو دی جائے گی جو نص قرآن اور حدیث صحیح کے موافق ہے اور دسویں حدیث عبادہ رض میں بھی امام اور غیر امام کی زیادت صحیح نہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کی نماز نہیں جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے خواہ امام ہو یا غیر امام ہو۔ کیوں کہ اس کی سند میں احمد بن عمیر دمشقی معروف بابن جوصا ہے جس کی بابت حافظ ابن مندہ نے حمزہ کنانی سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے اس سے روایت کرنا چھوڑ دیا تھا اور فرمایا میرے پاس ابن جوصا کی روایات کے دو سو جزء ہیں کاش وہ سفید ہی ہوتے اور حاکم نے زبیر بن عبدالواحد اسدی سے نقل کیا ہے کہ میں نے ابوعلی کی کوئی لغزش نہیں دیکھی بجز اس کے کہ وہ عبداللہ بن وہب دینوری اور ابن جوصا سے روایت کرتے ہیں اھ۔ اس کی سند میں محمد بن ابی السری بھی ہے جو غالباً عسقلانی ہے وہ باوجود حفظ کے بہت غلطی کرتا اور منکرات روایت کرتا ہے ذہبی نے میزان میں اس کی ایک حدیث منکر بیان کرکے فرمایا ہے کہ اس کی اور بھی منکر احادیث ہیں پس اس روایت میں امام اور غیر امام کا لفظ یا ابن ابی السری کے مناکیر میں سے ہے یا ابن جوصا کے غرائب میں سے ہے اس سے حجت قائم نہیں ہو سکتی پھر اس میں مقتدی کا ذکر نہیں صرف امام اور غیر امام کا ذکر ہے تو غیر امام سے مراد منفرد ہے۔ مقتدی مراد نہیں کیوں کہ مقتدی کے بارے میں صحیح حدیث اذا قرأ الامام فانصتوا (جب امام قراءت کرے خاموش رہو) میں خاموش رہنے کا صریح حکم وارد ہو چکا ہے اور یہی قرآن میں حکم ہے واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا اور ہم بتلا چکے ہیں کہ بالاتفاق یہ آیت قراءت خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے اب صاحب تکمیل البرہان اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ حکم خداوندی اور صحیح حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کون رد کر رہا ہے وہ یا ہم؟ پھر اس پر بے لوث ترانیاں کرنے کو محقق و مبصر اور شریعت محمدیہ

---

۵ یہ شخص متہم بالوضع ہے یعنی حدیثیں گھڑا کرتا تھا ۱۲ ظ

کا محکوم و فرمانبردار قرار دے کر حنفیہ کے عوام و خواص کو مذہب پرست فرقہ بند اور استخوان فروش کہتے ہوئے نہیں شرماتے۔

مسائل اختلافیہ میں جب کہ ہر فریق کے پاس دلائل موجود ہیں یہ دریدہ دہنی اور خلاف تہذیب باتیں لکھنا آپ ہی کو مبارک ہو ہم کسی کو بُرا نہیں کہتے صرف اپنے مسلک کی تائید و تقویت پر اکتفا کرتے ہیں۔

آٹھویں حدیث حضرت عائشہ کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ناقص ہے۔ (مؤلف تکمیل نے اس کے ترجمہ میں بیکار کا لفظ اپنی طرف سے اضافہ کر دیا ہے) اس کے متعلق عرض ہے کہ اس حدیث کا حاصل وہی ہے جو حضرت ابوہریرہ رض کی حدیث ۲ کا حاصل ہے اس سے مقتدی کے ذمہ قراءت فاتحہ کو لازم کرنا زبردستی ہے۔ کیوں کہ مقتدی کو امام کی قراءت کافی ہے جس کا ثبوت احادیث صحیحہ سے ہم دے چکے ہیں مقتدی کے علاوہ امام اور منفرد کی نماز کو ہم بھی بغیر فاتحہ کے ناقص سمجھتے ہیں کیوں کہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ان پر واجب ہے۔ مقتدی کے لئے قرآن اور صحیح حدیث میں انصات (خاموش رہنے) کا حکم ہے وہ امام کی قراءت کی وجہ سے حکماً قراءت کر رہا ہے۔ حدیث صحیح میں صاف حکم ہے۔ انما جعل الامام لیؤتم بہ امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے اور ساتھ ساتھ قراءت کرنا اتباع نہیں ہے بلکہ اتباع امام یہ ہے کہ مقتدی خاموش رہے اور اس کی قراءت کو سُنے امام کے ساتھ مقتدی کا قراءت کرنا بقول شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ تعظیم قرآن کے خلاف ہے۔

یہ دس حدیثیں بیان کر کے صاحب تکمیل نے تلک عشرۃ کاملۃ کا تاج سر پر رکھ کر بڑے فخر سے فرمایا ہے کہ الحمد للہ قراءت فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ان دس حدیثوں سے باحسن وجوہ حل ہو گیا۔ گویا حنفیہ کے پاس نہ قرآن سے کوئی دلیل ہے نہ حدیث سے۔ صاحب علم کو ایسی باتیں کرتے ہوئے شرمانا چاہیئے کیا ان کو معلوم نہیں کہ حنفیہ بھی اس مسئلہ میں قرآن و حدیث ہی سے استدلال کرتے ہیں۔

اس کے بعد صاحب تکمیل البرہان نے صحابہ کے آثار بیان کئے ہیں میں بتلا چکا ہوں کہ جن احادیث سے انھوں نے استدلال کیا ہے وہ یا تو صحیح نہیں اور اگر صحیح ہیں تو قراءت فاتحہ خلف الامام میں صریح نہیں اب آثار کو دیکھئے۔

پہلا اثر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہے کہ ان سے یزید بن شریک نے قراءت خلف الامام کا مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا سورۂ فاتحہ پڑھ لیا کرو۔ میں نے کہا اگرچہ آپ (امام) ہوں فرمایا اگرچہ میں (امام) ہوں۔ میں نے کہا اگرچہ آپ جہر کر رہے ہوں تو فرمایا اگرچہ میں جہر کر رہا ہوں اس کو دار قطنی نے روایت کیا اور کہا اس کے راوی ثقہ ہیں۔ اور دوسری سند سے روایت کر کے کہا کہ یہ سند صحیح ہے اور طحاوی نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ جواب یہ ہے کہ حضرت عمر رض سے روایتیں مختلف ہیں عبد الرزاق نے اپنے مصنف میں موسیٰ بن عقبہ امام المغازی والسیر سے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما قراءت خلف الامام سے منع فرماتے تھے اور یہ حدیث مرسلاً صحیح ہے اور امام محمد رح نے اپنی موطا میں داؤد بن قیس فراء سے محمد بن عجلان سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رض نے فرمایا کاش اس شخص کے منہ میں پتھر پڑ جائیں جو امام کے پیچھے قراءت کرتا ہے اس کے سب راوی ثقہ ہیں مگر روایت مرسل ہے کیوں کہ غالباً محمد بن عجلان کا سماع حضرت عمر رض سے نہیں ہے مگر مرسل اور منقطع ہمارے یہاں حجت ہے اور علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں تصریح کی ہے کہ وہ مرسل صحیح اگر ایک حدیث موصول صحیح کے معارض ہوں تو وہ مرسل پر عمل کرنا اولیٰ ہے ص ۸۸ اور شاہ ولی اللہ صاحب

ؔ معلوم ہوتا ہے کہ صاحب تکمیل کے سامنے طحاوی بھی ہے اور ممکن ہے موطا محمد اور نصب الرایہ زیلعی بھی ہو اور عمدۃ القاری شرح بخاری للعینی بھی ہو تو کیا ان کو حنفیہ کے دلائل حدیثوں میں نظر نہیں آئے اگر نظر نہیں آئے؟ تو معلوم ہوتا ہے وہ عربی نہیں سمجھتے اور اگر نظر آئے تو پھر کس منہ سے حنفیہ کے مسلک کو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بتلاتے ہیں؟ ۱۲ ظ

نے ازالۃ الخفا میں ایک مستقل باب تدوین مذہب عمر بن الخطاب کے لئے منعقد کیا ہے اس میں فرماتے ہیں:

قلت روی اصل الکوفۃ من اصحاب عمر انہ نہیین ان الماموم لایقرء شیئا اھ حضرت عمرؓ کے جن اصحاب کوفی سے اگلی روایت یہ ہے کہ (حضرت عمرؓ کے نزدیک) مقتدی کچھ قرآت نہیں کرے گا۔ اس صورت میں اصول ترجیح کے مطابق روایت تحریم کو ترجیح ہوگی۔ فقد ثبت فی الاصول ترجیح الحرام علی المبیح اذا تعارضا (کیوں کہ اصول میں دلائل سے ثابت ہو چکا ہے کہ جب محرم اور مبیح میں تعارض ہو محرم کو ترجیح دی جائے گی) خصوصاً جبکہ روایت تحریم نص قرآن اور حدیث صحیح کے موافق ہے۔ یا دونوں روایتوں کو اس طرح جمع کیا جائے کہ ممانعت کی روایت اس صورت پر محمول ہے جب امام کے ساتھ ساتھ قرارت کرے اور قرارت کا امر یا اجازت اس صورت میں ہے جب امام سے پہلے یا اس کے سکتہ میں یا سری نماز میں قرارت کرے جیسا حضرت ابو ہریرہ اور عبداللہ بن عمرو اور حضرت عبادہ سے بروایت بیہقی ہم اس کا ثبوت دے چکے ہیں اور ظاہر ہے کہ امام کے ذمہ سکتہ واجب ہونے کی کوئی دلیل نہیں پس امر کو وجوب پر محمول نہیں کر سکتے جواز ہی پر محمول کیا جائے گا۔

دوسرا اثر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ہے وہ فرماتے تھے پڑھو امام کے پیچھے ظہر و عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور ایک سورت۔ دارقطنی نے فرمایا کہ اس کی سند صحیح ہے۔ میں کہتا ہوں تو کیا صاحب تکمیل البرہان مقتدی کے ذمہ سورۃ فاتحہ کے علاوہ ایک اور سورت پڑھنا بھی واجب کریں گے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو یہ خلاف اجماع ہے۔ جو لوگ قرارت خلف الامام کے قائل ہیں ان میں کوئی بھی مقتدی کے ذمہ فاتحہ کے علاوہ کوئی سورت پڑھنے کو واجب نہیں کہتا، خود اہل حدیث بھی اس کے قائل ہیں۔ اور اگر جواب نفی میں ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر کا جواب دیں کیوں کہ اس میں فاتحہ اور سورت دونوں کے پڑھنے کا مقتدی کو حکم ہے۔ اور ہمارا جواب یہ ہے کہ حضرت علی رضؓ سے بھی مختلف روایات ہیں۔ عبدالرزاق اور ابو بکر بن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں حضرت علی رضؓ سے یوں روایت کیا ہے۔

قال من قرأ خلف الامام فقد اخطأ الفطرۃ۔ جو امام کے پیچھے قرارت کرے وہ فطرت (یعنی سنت) کے خلاف کرتا ہے۔ دارقطنی نے بھی اپنی سنن میں اس کو روایت کیا ہے جس کو مرسل شعبی کے ساتھ ہم بیان کر چکے ہیں اور اس کی سند میں کلام کیا ہے کہ قیس اور محمد بن سالم ضعیف ہیں مگر ان دونوں کو دوسروں نے ثقہ بھی کہا ہے اس لئے روایت کو رد نہیں کیا جا سکتا اور ابن ابی شیبہ کی سند میں یہ ضعیف راوی نہیں ہیں اس کی سند شرط صحیح کے موافق ہے بجز محمد بن الاصبہانی کے مگر اس کو علامہ ذہبی اور ابن حبان نے ثقہ کہا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت علی رضؓ کے فتاوی اور قضایا کو اہل کوفہ دوسروں سے زیادہ جانتے ہیں کیوں کہ ان کا زمانۂ خلافت زیادہ تر کوفہ میں گذرا ہے اس لئے ان کی روایت کو ترجیح دی جائے گی۔ خصوصاً جب کہ یہ روایت کتاب اللہ اور حدیث صحیح کے موافق بھی ہے۔ اور امام عبداللہ بن یعقوب سندمونی نے اپنی کتاب کشف الاسرار میں عبداللہ بن زید بن اسلم سے روایت کیا ہے وہ اپنے باپ (زید بن اسلم مولی عمر بن الخطاب) سے روایت کرتے ہیں کہ صحابہ میں سے دس حضرات قرارت خلف الامام سے بہت سختی کے ساتھ منع کرتے تھے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر بن الخطاب اور عثمان بن عفان اور حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین (عمدۃ القاری) جتنی سند مذکور ہے اس کے سب راوی ثقہ ہیں عبداللہ بن زید کو امام بخاری امام احمد نے ثقہ کہا ہے۔ اور محدثین سند کا جو حصہ حذف کرتے ہیں اس میں کلام نہیں ہوا کرتا۔

پس اثر عمر رضی اللہ عنہ کی طرح اثر علی رضی اللہ عنہ میں بھی محرم کو مُبیح پر ترجیح دی جائے گی۔ یا ممانعت کو جہری نماز پر اور اجازت کو سری نماز پر محمول کیا جائے گا جس کی تائید جزء القراءت بیہقی کے اس اثر سے ہوتی ہے:۔

عن علی رض قال من السنۃ ان یقرأ الامام فی الرکعتین الاولیین من صلوٰۃ الظہر بام الکتاب وسورۃ سرا فی نفسہ وینصتون من خلفہ ویقرؤن فی انفسہم۔ حضرت علی رض نے فرمایا نماز کی سُنّت یہ ہے کہ امام ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سُورۂ فاتحہ اور ایک سُورت آہستہ پڑھے اور اس کے پیچھے والے خاموش رہیں دل دل میں پڑھیں امام بیہقی نے اس سے احتجاج کیا ہے اور اس میں صاف تصریح ہے کہ مقتدی خاموش رہیں پھر اس سے سُورۂ فاتحہ کے بعد سُورت ملانے کا وجوب بھی ثابت ہے جس کے اہل حدیث قائل نہیں حنفیہ قائل ہیں۔ تیسرا اثر ابو العالیہ کہتے ہیں کہ میں نے مکہ میں عبداللہ بن عمر رض سے دریافت کیا کہ میں نماز میں پڑھوں؟ فرمایا کہ اس گھر کے (بیت اللہ کے) رب سے مجھے شرم آتی ہے کہ میں نماز پڑھوں اور اس میں قرارت نہ کروں اگرچہ سورہ فاتحہ ہی ہو۔ اس کو امام بخاری نے جزء القراءت میں روایت کیا ہے۔ میں کہتا ہوں اس میں قرارت خلف الامام کا ذکر نہیں بلکہ مطلق قرارت کا ذکر ہے کہ نماز میں قرارت ضرور ہونا چاہیے اگرچہ سورہ فاتحہ ہی ہو۔ اس کو غیر مقتدی پر محمول کیا جائے گا کیوں کہ ابو العالیہ نے ہی مرسلاً روایت کیا ہے کہ لوگ امام کے پیچھے قرارت کرتے تھے تو آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا، نازل ہوئی۔ فسکت القوم وقرأ النبی صلی اللہ علیہ وسلم پھر لوگ خاموش رہتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرارت کرتے تھے۔ اور موطا مالک سے اصح الاسانید کے ساتھ عبداللہ بن عمر کا مذہب مذکور ہو چکا ہے کہ جب ان سے سوال کیا جاتا کیا امام کے پیچھے قرارت کی جائے؟ تو فرماتے کہ امام کے پیچھے جو شخص نماز پڑھے اس کو امام کی قرارت کافی ہے اور جب تنہا نماز پڑھے تو قرارت کرنا چاہیے اس کے بعد نافع نے کہا کہ عبداللہ بن عمر رض امام کے پیچھے قرارت نہ کرتے تھے اور بیہقی نے بھی جزء القراءت میں سند صحیح کے ساتھ قاسم بن محمد سے یہی روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن عمر رض امام کے پیچھے قرارت نہ کرتے تھے خواہ وہ جہر کرتا یا نہ کرتا۔

پس ابو العالیہ کی یہ روایت ان کے معارض نہیں ہو سکتی اس کو امام اور منفرد پر محمول کرنا ضروری ہے۔ پھر اس کا یہ لفظ کہ اگرچہ سُورۂ فاتحہ ہی ہو بتلا رہا ہے کہ عبداللہ بن عمر کے نزدیک قرارت کے لئے سُورہ فاتحہ متعین نہیں اور یہ صاحب تکمیل البرہان کو مضر ہے کیوں کہ وہ تعیین فاتحہ اور اس کی رکنیت کے قائل ہیں۔ اس کے بعد کنز العمال سے جو اثر عبداللہ بن عمر کا نقل کیا ہے اس میں کاتب نے غلطی کی ہے وہ درصل عبداللہ بن عمرو بن العاص کا اثر ہے ملاحظہ ہو۔ (جزء القراءت الامام البیہقی ص۲۵) اور اس کی سند میں مثنیٰ ابن صباح ضعیف ہے (تقریب ص۳۰۱) پھر اس میں امام کے پیچھے مطلقاً قرارت کا ذکر نہیں بلکہ امام سے پہلے یا سکتہ کی حالت میں پڑھنے کا ذکر ہے اور اس سے کسی کو بھی انکار نہیں۔ نیز اس میں یہ لفظ بھی ہے من صلی مکتوبۃ او سبحۃ فلیقرأ بام القرآن وقرآنا معہا۔ جو شخص فرض نماز پڑھے یا نفل وہ سُورۂ فاتحہ بھی پڑھے اور اس کے ساتھ کچھ اور بھی قرآن (سے) پڑھے۔ جس سے فاتحہ کے ساتھ ضم سورت کا وجوب صاف معلوم ہو رہا ہے مگر اہل حدیث اس کے قائل نہیں اگر اس اثر سے مقتدی کے ذمہ سُورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب کیا جائے گا تو ایک سورت یا چند آیات کا پڑھنا بھی واجب ہوگا اور اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ پس یہ اثر اتفاقاً متروک العمل ہے۔

چوتھا اثر حضرت ابی بن کعب کا ہے کہ وہ امام کے پیچھے قرارت کرتے تھے مگر ظاہر یہ ہے کہ وہ امام سے پہلے یا اس کے سکتات میں قرارت کرتے تھے اور اس کو ہم بھی منع نہیں کرتے جیسا آئندہ اثر میں اس کی صاف تصریح ہے پانچواں اثر عبداللہ بن عمرو بن العاص کا ہے کہ قرارت خلف الامام کرتے تھے مگر صاحب تکمیل نے خود ہی کنز العمال کے حوالہ سے اس کی تشریح بھی نقل کر دی ہے کہ وہ فرماتے تھے جب تو امام کے تھا

فلمان کراچی

ہو تو سورۂ فاتحہ اس سے پہلے یا اس کے سکتات میں پڑھ لیا کرو۔ اور اس کو ہم بھی جائز کہتے ہیں اور وجوب کی کوئی دلیل نہیں سکتہ کرنا امام کے ذمہ کسی دلیل سے بھی سکوت واجب نہیں۔

چھٹا اثر حضرت ابوہریرہ رض کا ہے (کہ جس نماز میں فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ خداج ہے ناقص ہے تو) ابو السائب نے کہا کہ جب میں امام کے ساتھ ہوں اور وہ جہر کے ساتھ قرات کر رہا ہو تو کیا کروں؟ حضرت ابوہریرہ رض نے جواب میں فرمایا ویلک یا فارسی اقرأ بھا فی نفسک اھ اس کا ترجمہ صاحب تکمیل نے یوں کیا ہے کہ سورۂ فاتحہ آہستہ پڑھ لیا کرو۔ اور ہمارے نزدیک اس کا ترجمہ یہ ہے کہ دل دل میں پڑھ لیا کرو کیونکہ ابوداؤد و نسائی وغیرہ میں بسند صحیح ابوہریرہ ہی سے روایت ہے اذا قرأ الامام فانصتوا کہ جب امام قرات کرے تو خاموش رہو اور قرات قلبی کا قرات ہونا لغۃ و عرفاً ثابت ہے جیسا ہم پہلے بتلا چکے ہیں پس دونوں روایتوں پر عمل کی صورت یہی ہے کہ حضرت ابوہریرہ رض مقتدی کے لئے وجوب انصات کے بھی قائل ہیں کہ مقتدی کو امام کے پیچھے خاموش رہنا واجب ہے اور دل دل میں قرات کو جائز سمجھتے ہیں یہی ہمارا مذہب ہے۔

ساتواں اثر عبداللہ بن مغفل کا ہے کہ وہ امام کے پیچھے ظہر اور عصر کی پہلی دونوں رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ دوسری سورت بھی پڑھا کرتے تھے اور پچھلی دونوں رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے۔ میں کہتا ہوں کہ ابن منذر نے اپنی تفسیر میں عبداللہ بن مغفل سے اس کے خلاف روایت کیا ہے کہ میں نے صحابہ میں سے ایک بزرگ سے سوال کیا (راوی کہتا ہے کہ میرا گمان یہ ہے کہ انھوں نے عبداللہ بن مغفل کا نام لیا تھا) کیا ہر شخص پر جو قرآن سنے اس کا سننا اور خاموش رہنا واجب ہے؟ فرمایا یہ آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا (جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو سنو اور خاموش رہو) قرات خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ جب امام قرات کرے تو اس کو سنو اور خاموش رہو (زیلعی صـ۲۲۲ ج۲) پس اگر جزء القرات بخاری کی روایت میں لفظ خلف الامام کی زیادتی شاذ و منکر نہیں ہے تو کہا جائے گا عبداللہ بن مغفل امام کے ساتھ ساتھ قرات نہ کرتے تھے اس سے پہلے یا درمیانی سکتہ میں قرات کرتے ہوں گے پھر اس روایت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ دوسری سورت ملانے کا بھی ذکر ہے کیا صاحب تکمیل اس کو امام یا مقتدی کے ذمہ واجب کہیں گے؟ اگر نہیں تو ایسا اثر بیان کرنے سے کیا فائدہ جس پر خود بھی عمل نہیں کرتے۔

آٹھواں اثر ابونضرہ کا ہے کہ میں نے ابوسعید رض خدری سے قرات خلف الامام کے بارے میں سوال کیا انھوں نے فرمایا سورۂ فاتحہ (پڑھ لیا کرو) میں کہتا ہوں اس حدیث کو ابوداؤد نے ابونضرہ ہی سے روایت کیا ہے جیسا خود صاحب تکمیل نے نقل کیا ہے اس میں خلف الامام کا ذکر نہیں بلکہ اس کے الفاظ یہ ہیں۔ قال امرنا ان نقرأ بفاتحۃ الکتاب وما تیسر۔ ہم کو امر کیا گیا ہے کہ سورۂ فاتحہ پڑھیں اور جو آسان ہو۔ اور اہل حدیث سورۂ فاتحہ کے بعد اور کچھ پڑھنے کو واجب نہیں کہتے۔ ترمذی و ابن ماجہ میں بھی حضرت ابوسعید خدری کی یہ روایت موجود ہے اس میں بھی لفظ خلف الامام موجود نہیں ابن عدی نے کامل میں اور ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اسحٰق بن راہویہ نے اپنی مسند میں اور طبرانی نے مسند اہل شام میں اسی حدیث کو روایت کیا ہے ان حضرات کی روایت میں بھی خلف الامام کا نشان نہیں۔ طبرانی نے اس کو ابونضرہ سے ابوسعید سے بایں الفاظ روایت کیا ہے لا صلوۃ الا بام القرآن ومعھا غیرھا۔ (نماز نہیں ہوتی مگر سورۂ فاتحہ سے اور اس کے ساتھ کچھ اور بھی ہو) اور کامل کے الفاظ یہ ہیں۔ لا صلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب وسورۃ معھا (نماز نہیں ہوتی مگر سورۂ فاتحہ سے اور اس کے ساتھ ایک اور سورت ہو) ابن ماجہ کے الفاظ یہ ہیں لا صلوۃ لمن لم یقرأ فی کل رکعۃ بالحمد وسورۃ فی فریضۃ وغیرھا نماز نہیں ہے اس شخص کی جو ہر رکعۃ میں الحمد اور ایک سورت نہ پڑھے فرض ہو یا نفل (اعلاء صـ۱۸۲ ج۲) اب اگر اس کو قرات خلف الامام پر محمول کیا گیا تو صاحب تکمیل کو قائل بننا پڑے

کہ امام اور مقتدی کے ذمہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد ایک اور سورت پڑھنا بھی واجب ہے حالانکہ وہ اس کے قائل نہیں پھر ایسے آثار کے نقل کرنے سے کیا فائدہ جن پر وہ خود عمل نہیں کرتے؟ اس کے بعد صاحب تکمیل نے حنفیہ کی طرف ایک مغالطہ منسوب کیا ہے کہ بوقت تعلیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیئ الصلوٰۃ[1] کو فاقرأ ما تیسر معک من القرآن فرمایا تھا کہ قرآن سے تجھے جو آسان ہو وہ پڑھ لیا کر (خاص سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا اس سے معلوم ہوا کہ فرض قرأت ادا کرنے کے لئے فاتحہ کی خصوصیت نہیں ایک دو آیت کسی سورت کی پڑھنے سے بھی فرض ادا ہو جائے گا اس کے جواب میں صاحب تکمیل کہتے ہیں کہ) حافظ صاحب (یعنی حافظ ابن حجر عسقلانی) نے فرمایا ہے اس کا مطلب یہ ہے ای بعد الفاتحۃ یعنی فاتحہ کے بعد جو سورت تجھے یاد ہو اور آسان ہو وہ پڑھ لیا کر جیسا کہ ابوداؤد میں رفاعۃ بن رافع کی حدیث میں ثم اقرأ بام القرآن صاف موجود ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیئ الصلوٰۃ کو فرمایا کہ سورہ فاتحہ پڑھنے کے بعد جو سورت ہو پڑھ لیا کر۔ میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کو قرأت خلف الامام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اس کا تعلق منفرد کی نماز سے ہے اور منفرد کے ذمہ ہمارے نزدیک بھی سورۂ فاتحہ اور ایک سورت یا تین آیتیں پڑھنا واجب ہے مگر صاحب تکمیل کے نزدیک فاتحہ کے علاوہ اور کچھ پڑھنا واجب نہیں اگر اس حدیث کو قرأت خلف الامام سے متعلق کہا جائے گا تو ان کو قائل ہونا چاہیئے کہ امام اور مقتدی دونوں پر سورہ فاتحہ کے بعد اور بھی کچھ پڑھنا واجب ہے۔ رہا حنفیہ کا یہ کہنا کہ حدیث مسیئ الصلوٰۃ میں سورۂ فاتحہ کا ذکر نہیں صرف اتنا ہے کہ قرآن میں سے جو تم کو آسان ہو پڑھو یہ مغالطہ ہرگز نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اس حدیث کے راوی دو صحابی ہیں۔ ایک ابوہریرہ رض دوسرے رفاعہ بن رافع۔ حضرت ابوہریرہ کی تمام روایتوں میں یہی ہے۔

ثم اقرأ ما تیسر معک من القرآن — پھر قرآن میں سے جو تم کو آسان ہو پڑھو۔

کسی روایت میں بھی ام القرآن یا سورۂ فاتحہ کا ذکر نہیں اور رفاعہ بن رافع کی حدیث میں بھی اکثر راویوں نے یہی کہا ہے صرف ایک راوی محمد بن عمرو نے ثم اقرأ بام القرآن وبما شاء الله کہا ہے۔ (پھر سورۂ فاتحہ پڑھو اور اس کے بعد جو اللہ چاہے پڑھو) یہ ابوداؤد کے الفاظ ہیں اور اسی محمد بن عمرو کی روایت میں امام احمد اور ابن حبان کے یہ الفاظ ہیں۔ ثم اقرأ بام القرآن وبما شئت۔ پھر سورۂ فاتحہ پڑھو اور جو تمہارا جی چاہے پڑھو۔ خود حافظ ابن حجرؒ نے (فتح الباری ص۲۳۱ ج۲) میں اس کی تصریح کی ہے۔ قوله ثم اقرأ ما تیسر معک من القرآن لم تختلف الرواة فی هذا عن ابی هریرة واما رفاعة ففی روایة اسحٰق المذکورة یقرأ ما تیسر من القرآن مما علمه الله وفی روایة یحیی بن علی فان کان معک قرآن فاقرأ والا فاحمد الله وکبره وهلله وفی روایة محمد بن عمرو عند ابی داؤد ثم اقرأ بام القرآن وبما شاء الله ولاحمد وابن حبان من هذا الوجه ثم اقرأ بام القرآن ثم اقرأ بما شئت اھ پس محمد بن عمرو کی یہ زیادت شاذ ہے اور حدیث شاذ اصول حدیث پر صحیح نہیں ہو سکتی خصوصاً جب کہ محمد بن عمرو ثقہ متفق علیہ بھی نہیں یحیی ابن معین۔ جوزجانی اور یعقوب بن شیبہ اور ابن سعد نے اس کی تضعیف کی ہے اور جن لوگوں نے توثیق کی ہے وہ بھی اس کو خطا اور قلت حفظ سے مجروح کرتے ہیں ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب (ص۳۷۴، ۳۷۶ ج۹) ایسے راوی کا تفرد محدثین کے اصول پر قابل قبول نہیں پھر یہ زیادت نص قرآن کے خلاف ہے قرآن میں

---

[1] یعنی نماز کو بری طرح پڑھنے والا۔ یہ حدیث اسی عنوان سے بیان کی جاتی ہے۔ قصہ یہ ہے کہ ایک شخص نے حضورؐ کے سامنے بے ڈھنگے طریقہ سے نماز پڑھی تھی آپ نے بار بار نماز لوٹانے کا حکم دیا۔ پھر خود نماز کا طریقہ بتلایا اور سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا بلکہ یہ فرمایا کہ قرآن میں سے جو آسان ہو پڑھو۔ ۱۲ ظ

فاران کراچی

فاقرؤا ما تیسر من القرآن وارد ہے کہ قرآن میں سے جو آسان ہو پڑھو سورۃ فاتحہ کی قید نہیں پس جو روایت نص قرآن کے موافق ہوگی اور جو نص قرآن پر زیادت کو ثابت کرے گی اس کو نص قرآنی کے برابر نہیں کیا جاسکتا اس لئے ہم کہتے ہیں کہ فرض تو اتنی ہی قرأت ہے جو آسان ہو (یعنی کم از کم ایک آیت) اور خبر واحد میں جو زیادت مذکور ہے وہ فرض نہیں بلکہ واجب ہے اس صورت میں نص قرآن پر بھی عمل ہو گیا اور حدیث پر بھی۔ اور قراءت فاتحہ کو فرض قرار دینے کی صورت میں نص کا ابطال لازم آئے گا اور یہ گوارا نہیں کیا جاسکتا کہ خبر واحد کو نص قرآن کے برابر کیا جائے اب صاحب تکمیل البرہان اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ ما تیسر جیسے عام اور خبر واحد کی بنا پر نص قرآن کو باطل کرنے والا کون ہے وہ یا ہم؟ رہا یہ دعویٰ کہ قرآن اور حدیث میں ما تیسر (جو آسان ہو) سے مراد سورۃ فاتحہ ہے محض زبردستی ہے سورۃ والعصر اور انا اعطیناک الکوثر اور قل ھو اللہ احد سے زیادہ آسان سورۃ فاتحہ کیونکر ہو سکتی ہے جس میں دو جگہ حرف ضاد ہے جس کا صحیح پڑھنا عوام کو خواص کو بھی دشوار ہے اور اس کی وجہ سے اب تک ہنگامہ برپا ہے کہ ضاد مشابہ ظاء ہے یا مشابہ دال علامہ شعرانی شافعی میزان میں فرماتے ہیں:-

فرحم اللہ ابا حنیفۃ حیث غایر بین لفظ الفرض والواجب وبین معناھما فجعل ما فرضہ اللہ تعالیٰ اعلیٰ مما فرضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وان کان لا ینطق عن الھویٰ ادبا مع اللہ تعالیٰ ونفس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحب رفع رتبۃ تشریع ربہ علی تشریعہ ھو ولو کان ذالک باذنہ تعالیٰ ولم ینظر الی ذالک من جعل الفرض والواجب مترادفین وقال الخلف لفظی والحق انھما عند الامام ابی حنیفۃ متفاضلان والخلف معنوی کما ھو لفظی اھ

(من فتح الملہم ص۱۹ ج۲)

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ امام ابو حنیفہ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے کہ انہوں نے فرض اور واجب میں فرق کیا اور دونوں کے معنی الگ الگ بیان کر دیئے، کہ جس عمل کو اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرض کئے ہوئے عمل سے اعلیٰ قرار دیا اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی خواہش سے کچھ نہیں فرماتے امام ابو حنیفہ نے اللہ تعالیٰ کا ادب ملحوظ رکھا اور اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دل بھی امام ابو حنیفہ کی تعریف کرتا ہے کیونکہ آپ کو بھی یہی پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تشریع کو آپ کی تشریع سے بلند رتبہ میں رکھا جائے اگرچہ آپ کی تشریع بھی اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہے اس نکتہ کی طرف ان لوگوں کی نظر نہیں پہونچی جو فرض وواجب کو برابر سمجھتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک فرض وواجب کا درجہ ایک دوسرے سے کم ہے دونوں میں لفظی فرق کے ساتھ معنوی فرق بھی ہے اھ۔ صاحب تکمیل البرہان نے علامہ شعرانی کا ایک قول نقل کیا ہے اس کے ساتھ اس قول کو بھی ملا کر دیکھیں تو حقیقت واضح ہو جائے گی کہ قرآن وحدیث کے احکام کو برابر کرنا صحیح نہیں جو حکم قرآن سے ثابت ہو اُس کو فرض اور جو حدیث سے ثابت ہو اُسے واجب کہنا چاہیئے۔

نواں اثر حضرت عائشہ رض کا ہے کہ وہ امام کے پیچھے قرأت کا امر کرتی تھیں۔ اس میں سورۃ فاتحہ کا ذکر نہیں۔ نہ یہ تصریح ہے کہ امام کے ساتھ ساتھ نماز جہری میں قراءت کا امر کرتی تھیں یا نماز سری میں اور جہری نماز میں امام کے سکتات میں۔ پس اس میں اہل حدیث کے لئے کوئی حجت نہیں، ہم بتلا چکے ہیں کہ دس صحابہ جن میں خلفاء اربعہ بھی شامل ہیں قراءت خلف الامام سے بہت سختی کے ساتھ منع فرماتے تھے ان صحابہ کا قول نص قرآن واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا۔ اور حدیث صحیح اذا قرأ الامام فانصتوا کے موافق ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے اس کو سنو اور خاموش رہو اور جب امام قراءت کرے تم خاموش رہو۔ پس ترجیح ان کو ہوگی حضرت عائشہ رض کے قول مجمل سے قرآن وحدیث صحیح کو ترک نہیں کیا جائے گا۔ اس میں تاویل کی جائے گی کہ سری نماز

میں یا جہری کے سکتات میں قرات کرتی ہوں گی۔

دسواں اثر حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا ہے کہ ہم امام کے پیچھے ظہر و عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور ایک سورت پڑھتے تھے اور پچھلی دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ۔ تو کیا صاحب تکمیل اس کے قائل ہیں کہ مقتدی کے ذمہ سورۂ فاتحہ کے علاوہ بھی ایک سورت پڑھنا واجب ہے؟ اگر وہ اس کے قائل نہیں تو ایسا اثر خود ان پر حجت ہے جس پر وہ عمل نہیں کرتے۔

....

پھر یہ حدیث مضطرب ہے کیوں کہ ابن ماجہ نے اس کو یزید فقیر کے واسطے سے حضرت جابر سے روایت کیا ہے اور بیہقی نے جزء القراءت میں یزید فقیر ہی کے واسطے سے اس کو روایت کیا ہے مگر اس میں خلف الامام کا ذکر نہیں صرف اتنا ہے کہ وہ پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ کچھ اور پڑھتے تھے اور پچھلی دو رکعتوں میں صرف فاتحہ پڑھتے تھے۔ پھر بیہقی نے عبید اللہ بن مقسم سے حضرت جابر سے روایت کیا اس میں بھی خلف الامام کا ذکر نہیں اس کا مضمون یہ ہے کہ نماز میں قرات کی سنت یہ ہے کہ پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور ایک سورت پڑھے اور پچھلی دونوں رکعتوں میں سورۂ فاتحہ۔ پھر اعمش کے واسطے سے یزید فقیر سے حضرت جابر سے ان لفظوں کے ساتھ روایت کیا۔ اقرأ فی الاولین بالحمد وسورۃ وفی الاخریین بالحمد۔ کہ پہلی دونوں رکعتوں میں الحمد اور ایک سورت پڑھو اور پچھلی دو میں الحمد پڑھو پس ایسی مضطرب روایت سے اس حدیث کا معارضہ نہیں ہو سکتا جس کو امام مالک نے موطا میں بسند صحیح اور امام ترمذی نے جامع میں بسند حسن صحیح روایت کیا ہے کہ حضرت جابر رض فرماتے ہیں جس نے کسی رکعت میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی تو اس نے نماز نہیں پڑھی مگر یہ کہ امام کے پیچھے ہو (تو اس کی نماز بغیر قرات کے درست ہے) اور حافظ ابن حجر نے اس کو مشہور بتلایا ہے پھر ابن ماجہ کی روایت سے صرف اتنا معلوم ہوا کہ وہ سری نمازوں میں امام کے پیچھے قرات کرتے تھے اور اس کو ہم بھی جائز کہتے ہیں یہ کہاں معلوم ہوا کہ وہ جہری نمازوں میں بھی امام کے ساتھ ساتھ قرات کرتے تھے اور محل نزاع یہی صورت ہے۔

گیارھواں اثر حضرت عبادۃ الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے جس کو ابوداؤد نے نافع بن محمود سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبادہ رض نے صبح کی نماز میں دیر کی تو ابونعیم نے نماز پڑھائی اتنے میں عبادہ رض آگئے اور میں ان کے ساتھ تھا ہم ابونعیم کے پیچھے صف میں کھڑے ہو گئے ابونعیم اس وقت جہر سے قرات کر رہے تھے عبادہ رض نے سورۂ فاتحہ پڑھنی شروع کر دی نماز سے فارغ ہو کر میں نے کہا کہ میں نے آپ کو سورۂ فاتحہ پڑھتے ہوئے سنا حالانکہ ابونعیم جہر سے قرات کر رہے تھے حضرت عبادہ نے کہا ہاں ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی الخ پھر اس کو تمہید ابن عبدالبر اور مستدرک حاکم سے نقل کیا گیا ہے اس میں محمود بن ربیع کی طرف اس سوال و جواب کو منسوب کیا گیا ہے میں کہہ چکا ہوں کہ یہ حدیث مضطرب ہے اور اس کے اضطراب کی تفصیل بھی بیان کر چکا ہوں اور یہ کہ اس کے تمام طرق میں راجح وہی طریق ہے جس کو امام بخاری و مسلم نے اختیار کیا ہے اس میں صرف اتنا مضمون ہے کہ بغیر سورۂ فاتحہ کے نماز نہیں ہے امام یا مقتدی کا اس میں اصلاً ذکر نہیں ہے اور سفیان بن عیینہ اور زہری اور امام احمد نے اس کو منفرد پر محمول کیا ہے۔ اور جس طریق میں نافع یا محمود کا سوال و جواب مذکور ہے اس کو امام احمد اور یحییٰ بن معین اور ایک جماعت ائمہ حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے۔ پھر صاحب تکمیل البرہان کو یہ بھی سوچنا چاہیے کہ محمود بن ربیع صحابی صغیر ہے اور نافع تابعی متوسط ہے۔

(کما فی التقریب مستور من الثالثۃ) ان دونوں کا حضرت عبادہ کی قراءت خلف الامام پر انکار کرنا کیا بتلاتا ہے؟ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں نے حضرت عبادہ کے سوا کسی صحابی کو قرات خلف الامام کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ ورنہ ان دونوں

کے نزدیک مقتدی کو قرات خلف الامام جائز تھی۔ اور نہ وہ اب تک قرات خلف الامام کے عادی تھے جبھی تو حضرت عبادہ کی قرات پر انکار کیا۔ تو اگر ایک صحابی سے قرات خلف الامام کا ثبوت ہو بھی گیا تو اس سے اہل حدیث کا مدعیٰ کیونکر ثابت ہو سکتا ہے۔ جب کہ اسی اثر سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس صحابی کے سوا دوسرے صحابہ قرات خلف الامام کے قائل نہ تھے۔

بارہواں اثر عبداللہ بن عباس کا ہے۔ کہ انھوں نے فرمایا امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھ لیا کرو۔ پھر اسی کو عیزار بن حریث کے واسطہ سے نقل کیا گیا ہے، اس کی سند میں ابو بکر بر بہاری ہے جس پر دارقطنی اور محمد بن ابی الفوارس نے جرح کی ہے۔ اور ابو البرقانی اور ابن السرخسی نے کذاب کہا ہے۔ ابو الحسن بن الفرات نے اس کو مخلط کہا ہے یعنی روایت میں گڑبڑ کرتا ہے۔ اس پر غفلت غالب تھی۔ ہم ابو جمرہ کے واسطہ سے عبداللہ بن عباس کی روایت نقل کر چکے ہیں کہ ان سے سوال کیا گیا جب امام میرے آگے ہو تو میں بھی قرأت کر لیا کروں؟ فرمایا نہیں۔ اس کی سند حسن ہے۔ نیز ابن عباس ہی نے یہ بھی روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کو امام کی قرات کافی ہے خواہ وہ آہستہ پڑھے یا جہر کرے۔ اور اس کی سند بھی حسن ہے۔ پس یا تو ایک روایت کو رد کیا جائے اور دوسری کو قبول کیا جائے جو بھی نص قرآن اذا قرأ القرآن فاستمعوا له وانصتوا اور حدیث صحیح اذا قرأ الامام فانصتوا کے موافق ہے۔ یا دونوں کو اس طرح جمع کیا جائے کہ عبداللہ بن عباس مقتدی کے حق میں قرأت کو فرض نہیں سمجھتے تھے۔ امام کی قرات کو اس کیلئے کافی سمجھتے تھے اور نماز جہری میں امام سے پہلے یا سکتہ کے وقت قرأت کو مستحب جانتے تھے اسی طرح نماز سری میں بھی۔ اور اس سے حنفیہ بھی منع نہیں کرتے جیسا مفصل بار بار گزر چکا ہے۔

تیرہواں اثر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔ ابو مریم کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مسعودؓ کو امام کے پیچھے پڑھتے ہوئے سنا۔ صاحب تکمیل کو یہ اثر نقل کرتے ہوئے شرمانا چاہیئے۔ کیونکہ اس میں نہ سورۃ فاتحہ کا ذکر ہے نہ کسی اور سورۃ کا۔ ممکن ہے وہ ثنا یعنی سبحانک اللھم وبحمدک الخ اور انی وجھت وجھی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین پڑھ رہے ہوں جو مقتدی امام کی قرأت سے پہلے پڑھا کرتا ہے۔ اس میں یہ کہاں ہے کہ وہ امام کی قرأت کے ساتھ کچھ پڑھتے تھے۔ عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کے اصحاب کا مذہب مشہور ہے کہ وہ قرات خلف الامام سے بہت سختی کے ساتھ منع کرتے تھے۔ چنانچہ ہم پہلے اچھی طرح واضح کر چکے ہیں۔ ہاں اگر امام لحان (غلط خواں جاہل) ہو تو اس کے پیچھے مقتدی کو قرات کی اجازت دیتے تھے۔ اور اس کے بعض فقہا رحنفیہ بھی قائل ہیں۔

روی الطبرانی فی الکبیر بسند رجالہ ثقات عن ابی مسعود انہ قال یا فلان لا تقرأ خلف الامام الا ان یکون اماما لا یقرأ (مجمع الزوائد) ای الا ان یکون الامام لحانا فحینئذ یجوز للمقتدی ان یقرأ خلفہ وھذا وجہ، ذھب الیہ بعض اصحابنا۔ (عمدۃ القاری)

طبرانی نے بروایت ثقات عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے انھوں نے فرمایا۔ اے فلاں امام کے پیچھے قرأت نہ کرنا۔ مگر یہ کہ امام قاری نہ ہو (امّی ہو تو قرأت کر لیا کرو) مجمع الزوائد۔

اس کے بعد صاحب تکمیل نے ترمذی کی ایک عبارت نقل کر دی ہے کہ حدیث عبادہ حدیث حسن صحیح ہے اور اصحاب رسول وغیرہ اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے ان ہی میں سے حضرت عمر فاروق رضؓ وجابر بن عبداللہ وعمران بن حصین رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔ ان سب کا قول اور فتویٰ یہی ہے کہ بغیر سورۃ فاتحہ کے نماز کام ہی کی نہیں بالکل بیکار ہے۔ اھ مگر حدیث عبادہ کے الفاظ نقل نہیں کئے اس کے الفاظ یہ ہیں:

عہ لا تجزی صلوٰۃ کا یہ ترجمہ ایجاد بندہ ہے اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ بغیر فاتحہ کے نماز کافی نہیں۔

لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب۔ اس شخص کی نماز نہیں جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے۔

تو اس سے کس کو انکار ہے حنفیہ بھی کہتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے۔ گفتگو قرأت خلف الامام میں ہے کہ مقتدی پر بھی قرأت واجب ہے یا نہیں کہ حدیث عبادہ میں اس کا ذکر نہیں اور دوسری احادیث صحیحہ سے ہم بتلا چکے ہیں کہ مقتدی کے لئے امام کی قرأت کافی ہے۔ مقتدی کو خاموش رہنے کا حکم ہے۔ اور جس جگہ امام ترمذی نے قرأت خلف الامام کا ذکر کیا ہے۔ وہاں محمد بن اسحٰق کے واسطہ سے محمود بن ربیع کی حدیث حضرت عبادہ سے نقل کر کے جس میں لا تفعلوا الا بام القرآن آیا ہے۔ (کہ امام کے پیچھے نہ پڑھو مگر سورۂ فاتحہ) یہ تصریح بھی کر دی ہے کہ اس حدیث کو زہری نے محمود بن ربیع سے حضرت عبادہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں روایت کیا ہے لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب وھذا اصح اس شخص کی نماز نہیں جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ جس میں اشارہ کر دیا کہ محمد بن اسحٰق کا لاصلوٰۃ الا بام القرآن زیادہ کرنا صحیح نہیں۔ پس گفتگو قرأت فاتحہ میں نہیں ہے کہ اس کا وجوب امام و منفرد پر متفق علیہ ہے۔ بلکہ قرأت خلف الامام میں گفتگو ہے۔ اور ہم بتلا چکے ہیں کہ حدیث عبادہ سے مقتدی پر قرأت خلف الامام کا وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ امام ترمذی نے باب ترک القرأت خلف الامام منعقد کر کے امام احمد بن حنبلؒ کا یہ قول نقل فرمایا ہے:۔ واما الامام احمد بن حنبل فقال معنی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب اذا کان وحدہٗ واحتج بحدیث جابر بن عبداللہ حیث قال من صلی رکعۃ لم یقرأ فیہا بام القرآن فلم یصل الا ان یکون وراء الامام قال احمد فھذا رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ تاول قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب ان ھذا اذا کان وحدہ اھ ص۴۲ اھ۔

لیکن احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ حدیث عبادہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ اس شخص کی نماز نہیں جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس شخص کے لئے ہے جو تنہا نماز پڑھے اور حضرت جابر کی حدیث سے استدلال کیا وہ فرماتے ہیں کہ جو شخص نماز کی کسی رکعت میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں، مگر یہ کہ امام کے پیچھے ہو۔

امام احمدؒ نے فرمایا کہ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس صحابی نے حدیث کا یہی مطلب بیان کیا ہے کہ جو شخص تنہا نماز پڑھے اس کی نماز بغیر قرأت فاتحہ کے نہیں ہوتی۔ مقتدی کے لئے اس کو عام نہیں سمجھا۔ تو یہ کہاں کا انصاف ہے کہ بیہقی وغیرہ کا قول تو حجت ہو اور امام احمدؒ کا قول حجت نہ ہو۔ اس کے بعد صاحب تکمیل البرہان نے جزء القرأت بیہقی سے حضرت عمران بن حصین کا قول نقل کیا ہے کہ کسی مسلمان کی نماز بغیر وضو اور بغیر رکوع اور بغیر سجود اور بغیر فاتحہ کے پاک نہیں ہوتی۔ امام کے پیچھے ہو یا اکیلا۔ اس اثر کے جملہ اجزاء متفق علیہ ہیں۔ بجز وراء الامام و غیر الامام کے جس سے امام کے پیچھے قرأت فاتحہ کا ثبوت دیا گیا ہے۔

صاحب تکمیل کو لازم تھا کہ اس جزو کی صحت کو ثابت کرے کیونکہ اس کی سند میں زیاد بن ابی زیاد الجصاص ہے۔ جس کو امام احمدؒ اور یحییٰ بن معین اور علی بن مدینی اور ابو زرعہ اور ابو حاتم اور نسائی اور دارقطنی اور فسل غلابی اور ابن عدی نے ضعیف، متروک، مذموم، منکر الحدیث کہا ہے اور اس کے معارض وہ حدیث ہے جو امام بیہقی نے ہی سلمۃ بن فضل سے حجاج بن ارطاۃ سے قتادہ سے زرارہ بن اوفی سے حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے۔ اور ایک شخص آپ کے پیچھے قرأت کر رہا تھا۔۔۔ جب آپ فارغ ہوئے تو فرمایا مجھ سے میری سورۃ میں کون منازعت کر رہا تھا؟ پھر آپ نے امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع کر دیا۔ امام بیہقی نے اس میں یہ کلام کیا ہے کہ فنہی عن القرآت خلف الامام تنہا حجاج بن ارطاۃ نے اس حدیث میں زیادہ کیا ہے (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد قرأت خلف الامام سے منع کر دیا) میں کہتا ہوں حجاج بن ارطاۃ محمد بن اسحٰق سے زیادہ قوی ہے

جس کی روایت کو بیہقی اور اہل حدیث بار بار حجت میں پیش کرتے ہیں حجاج بن ارطاۃ سے امام مسلم نے مقروناً روایت کی ہے امام بخاری نے تعلیقاً اس سے استشہاد کیا ہے شعبہ اس کی بہت تعریف کرتے تھے اسی طرح حماد بن زید اور سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری نے اس کے تیقظ اور حفظ حدیث کی تعریف کی ہے جملہ ائمہ حدیث اس سے روایت کرتے ہیں ترمذی نے اس کی بعض احادیث کی تصحیح کی ہے اور اکثر کی تحسین کی ہے اور اس سے روایت کرنے والا سلمۃ بن الفضل بھی ثقہ ہے یحییٰ بن معین نے اس کی توثیق کی اسی طرح ابوداؤد اور ابن سعد اور امام احمد نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ پس جصاص کی روایت سے احتجاج کرنا اور حجاج بن ارطاۃ کی روایت سے اعراض کرنا انصاف سے بعید ہے اور اپنے مذہب کی حمایت کے سوا کچھ نہیں "۔ اس کے بعد صاحب تکمیل نے تابعین کے فتاویٰ بھی نقل کئے ہیں گو اہل ظاہر کو تابعین کے اقوال سے احتجاج کرنا زیب نہیں دیتا جن کے نزدیک حدیث مرفوع کے سوا قول صحابی بھی حجت نہیں ہے۔

سب سے پہلے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا فتویٰ نقل کیا ہے مگر ترجمہ نہیں کیا کیوں کہ وہ مؤلف کے خلاف تھا حاصل اس کا یہ ہے کہ ان سے عبداللہ بن عثمان بن خیثم نے سوال کیا کہ کیا میں امام کے پیچھے قراءت کروں؟

فرمایا ہاں اگرچہ اس کی قراءت کو سنتے بھی ہو لوگوں نے آجکل نیا طریقہ نکالا ہے جو سلف نہیں کرتے تھے۔ سلف کا یہ طریقہ تھا کہ جب کوئی امام بنتا تھا وہ تکبیر (تحریمہ) کہہ کر خاموش رہتا تھا یہاں تک کہ اس کے خیال میں مقتدی اس کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھ چکے ہوں پھر وہ قراءت شروع کرتا اور لوگ خاموش رہتے۔

میں کہتا ہوں اس اثر میں سلف کا جو طریقہ بیان کیا ہے اس میں تصریح ہے کہ وہ امام کے ساتھ قراءت نہ کرتے تھے بلکہ سکتہ امام میں قراءت کرتے اور امام کی قراءت کے وقت خاموش رہتے تھے "۔ اور اس صورت میں کوئی اختلاف نہیں سکتہ امام میں قراءت کو ہم بھی جائز کہتے ہیں اور وجوب کی کوئی دلیل نہیں کیوں کہ امام پر سکتہ طویلہ کا واجب ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں۔ علامہ ابن تیمیہ کے حوالہ سے اس کا ذکر گزر چکا ہے اور خود سعید بن جبیر کا جو قول بیان کیا گیا ہے اس کے خلاف مصنف ابن ابی شیبہ میں بواسطہ ہشیم کے سعید بن جبیر کا یہ فتویٰ مذکور ہے کہ ان سے قراءت خلف الامام کی بابت سوال کیا گیا تو فرمایا امام کے پیچھے قراءت نہیں ہے اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں جن سے اصحاب صحاح نے احتجاج کیا ہے۔ پس ان کا جو فتویٰ نص قرآن اور حدیث صحیح اذا قرء الامام فانصتوا کا موافق ہوگا وہی راجح اور صحیح ہوگا اس کے بعد امام ابوحنیفہ رح کے استاد حماد بن ابی سلیمان کا فتویٰ نقل کیا گیا ہے کہ ان سے نماز ظہر اور عصر میں (صاحب تکمیل نے یہ جملہ حذف کر دیا ہے مغالطہ دینا اس کو کہتے ہیں) قراءت خلف الامام کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا سعید بن جبیر پڑھتے تھے میں نے کہا آپ کا فتویٰ کیا ہے؟ فرمایا میں بھی اس کو پسند کرتا ہوں کہ قراءت کرو۔ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سعید بن جبیر صرف ظہر و عصر میں قراءت خلف الامام کے قائل تھے اسی کو حماد نے پسند کیا اور ایک روایت میں جس کو صاحب ہدایہ نے امام محمد سے نقل کیا ہے امام ابوحنیفہ نے بھی اس کو پسند کیا ہے گفتگو صرف اس صورت میں ہے کہ امام قراءت جہر سے کر رہا ہو اس کے متعلق صاحب تکمیل کے پاس کوئی دلیل نہیں کہ اس حالت میں بھی مقتدی پر قراءت واجب ہے۔

اس کے بعد مکحول شامی کا فتویٰ نقل کیا گیا ہے مگر ظاہر ہے کہ مکحول نے صرف دو تین صحابہ کو دیکھا ہے ان کے فتوے کی محمد بن سیرین کے فتوے کے سامنے کوئی حیثیت نہیں۔ جو فرماتے ہیں کہ میں امام کے پیچھے قراءت کرنے کو سنت نہیں سمجھتا جیسا بسند صحیح ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے ہم بیان کر چکے ہیں۔ رہا امام بخاری کا جزء القراءت میں یہ فرمانا کہ تابعین میں سے

فلاں فلاں دگیارہ حضرات) قرارت خلف الامام کے قائل وعامل تھے" اس کے متعلق سند اور الفاظ کا سامنے ہونا ضروری ہے کیوں کہ ممکن ہے وہ حضرات نماز سری میں یا جہری کے سکتات امام میں قرارت کے قائل ہوں اور اس کو ہم بھی منع نہیں کرتے امام بخاری نے بہت سے صحابہ اور تابعین کا نام قرارت خلف الامام کے قائلین میں شمار کر دیا ہے حالانکہ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ وہ مطلقاً اس کے قائل نہ تھے بلکہ نماز سری میں یا جہری کے سکتات میں قرارت خلف الامام کے قائل تھے اور ہم بار بار بتلا چکے ہیں کہ اس صورت میں نزاع نہیں۔ چنانچہ صاحب تکمیل نے حضرت سعید بن جبیر اور ابو سلمہؓ اور حسن بصریؒ کا فتویٰ اپنی تائید میں نقل کر دیا حالانکہ اول و دوم سکتہ امام میں قرارت کے قائل ہیں اور امام حسن بصری فی نفسک کی قید بڑھاتے ہیں کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ اپنے دل میں پڑھ لیا کرو اور اس کو کوئی منع نہیں کرتا۔ صاحب تکمیل کا یہ ترجمہ کہ "آہستہ پڑھ لیا کرو" ہم پر حجت نہیں پھر جزو القرارت امام بخاری کے حوالہ سے یہ بھی لکھ دیا کہ حسن بصری وسعید بن جبیر اور میمون بن مہران وغیرہ بے شمار تابعین نے امام کے پیچھے قرارت کرنے کو کہا ہے" حالانکہ حسن بصری اور سعید بن جبیر کے الفاظ سے سکتہ امام کے وقت یا دل میں پڑھنے کی قید صاف مذکور ہے عطار بن ابی رباح کا فتویٰ حنفیہ کے موافق ہے اہل حدیث کے موافق نہیں وہ فرماتے ہیں کہ جب امام جہر سے قرارت کرے تو مقتدی جلدی کرے اور امام کے سکوت میں سورہ فاتحہ پڑھ لے اور جب امام قرارت کرے تو خاموش رہے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ عطار بن ابی رباح کے نزدیک آیت واذا قرأ القرآن فاستمعوا له وانصتوا قرارت خلف الامام کے متعلق نازل ہوئی ہے اور مقتدی پر امام کی قرارت کے وقت خاموش رہنا واجب ہے۔ رہا مجاہد کا فتویٰ کہ جو شخص امام کے پیچھے قرارت نہ کرے اس کو نماز کا اعادہ کرنا چاہیے اسی طرح عبداللہ بن زبیر نے فرمایا تو اس میں سورہ فاتحہ کا ذکر نہیں نہ اس کا ذکر ہے کہ امام کے ساتھ ساتھ قرارت کرے یا اس کے سکوت کے وقت۔ اس لئے اس سے حجت قائم نہیں ہو سکتی۔ ہم نے گزشتہ اوراق میں امام احمد کا قول کتاب المغنی سے نقل کر دیا ہے کہ مقتدی کے ذمہ امام کے پیچھے قرارت کا واجب نہ ہونا اجماعی مسئلہ ہے امام احمد فرماتے ہیں کہ ہم نے اہل اسلام میں سے کسی کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ جب امام قرارت جہر کرے اور اس کے پیچھے مقتدی قرارت نہ کرے تو اس کی نماز صحیح نہ ہو گی فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین اور اہل حجاز میں امام مالک اور اہل عراق میں سفیان ثوری اور اہل شام میں اوزاعی اور اہل مصر میں لیث (بن سعد) ان میں سے کوئی نہیں کہتا کہ جس نے امام کے پیچھے قرارت نہ کی ہو اور امام نے قرارت کی ہو تو نماز باطل ہے اھ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد کے نزدیک یا تو مجاہد اور عبداللہ بن زبیر کا فتویٰ مذکورہ بسند صحیح ثابت نہیں یا اس کا وہ مطلب صحیح نہیں جو اہل حدیث نے سمجھا ہے۔ اسی طرح

صاحب تکمیل نے تمہید ابن عبدالبر سے امام اوزاعی اور لیث بن سعد کا جو فتویٰ نقل کیا ہے کہ وہ مقتدی کے ذمہ قرارت خلف الامام کو ضروری سمجھتے تھے قابل قبول نہیں۔ کیوں کہ امام احمد بن حنبل اقوال علماء کو ان سے زیادہ جانتے ہیں

امام لیث بن سعد مصری کے متعلق تاریخ ابن خلکان میں ہے کہ وہ حنفی تھے معانی الآثار طحاوی میں باب قرارت خلف الامام میں لیث بن سعد کی روایت امام یوسفؒ سے امام ابو حنیفہؒ سے موسیٰ بن ابی عائشہؓ سے عبداللہ بن شداد سے حضرت جابر بن عبداللہ سے موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من کان له امام فقرأت الامام له قرأت جو شخص امام کے ساتھ (نماز پڑھتا) ہو تو امام کی قرارت اس کے لئے قرارت ہے۔

لیث بن سعد فرماتے ہیں کہ میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نام سنتا تھا اور ان سے ملنے کا مشتاق تھا پھر میں نے مکہ میں

ان کو اس حال میں پایا کہ لوگ ان پر ہجوم کیے ہوتے تھے اور مسائل شرعیہ میں) فتویٰ طلب کر رہے تھے اسی حالت میں ایک شخص نے مجھ کو خاص حاجت میں فتویٰ پوچھا تو مجھے لیکن فی البدیہہ جواب سے بڑا تعجب ہوا (رفیقی ص ۱۲۸ ج ۱) اس سے بھی ان کا حنفی ہونا ثابت ہے مگر تو ممکن ہے امام ابوحنیفہ کی روایت کردہ حدیث سننے سے پہلے وہ قرارت خلف الامام کے قائل ہوں جب یہ حدیث سنی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص امام کے ساتھ نماز پڑھے اس کے لئے امام کی قرارت کافی ہے، اس کے بعد قرارت خلف الامام کے قائل نہیں رہے۔ ترمذی سے عبداللہ بن مبارک کا جو قول نقل کیا گیا ہے کہ میں امام کے پیچھے قرارت کرتا ہوں اور لوگ بھی قرارت کرتے ہیں مگر کوفہ والوں میں سے ایک قوم۔ تو یہ بھی عبداللہ بن مبارک کا ارشاد دلائل اہل عراق سننے سے پہلے ہوگا کیونکہ بعد میں ان کا حنفی مذہب اختیار کرنا دنیا کو معلوم ہے۔

مورخین اور اصحاب طبقات نے ان کو حنفیہ میں شمار کیا ہے بعض لوگوں نے صرف اس لئے کہ وہ امام مالک سے روایت کرتے ہیں مالکیہ میں شمار کر دیا ہے مگر ان کی فقہی کتابیں اقوال ابو حنیفہ سے مزین و مملو ہیں امام مالک کا قول شاذ و نادر ہی پایا جاتا ہے کرتے ہیں۔ ان کے اس قول سے الا قوم من الکوفیین (مگر کوفہ والوں میں سے ایک قوم) یہ سمجھنا کہ کوفہ والوں میں سے صرف ایک جماعت قرارت خلف الامام نہیں کرتی تھی باقی سب کرتے تھے۔ صاحب تکمیل کی خوش فہمی ہے۔ اہل کوفہ عبداللہ بن مسعود اور ان کے اصحاب اور اصحاب علی رض کے مسلک پر تھے اور ان حضرات کا مذہب ترک قرارت خلف الامام مشہور و معروف ہے صاحب تکمیل کو علامہ ابن تیمیہ کا قول پھر یاد کر لینا چاہیے جو ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ "جو لوگ امام کے ساتھ قرارت سے (مقتدی کو) منع کرتے ہیں ان کے ساتھ جمہور سلف و خلف ہیں اور ان کی تائید میں کتاب اللہ اور سنت صحیحہ بھی ہے اور جو لوگ مقتدی پر امام کے ساتھ قرارت کو واجب کہتے ہیں ان کی حدیث کو ائمہ (حدیث) نے ضعیف قرار دیا ہے اور حدیث ابو موسیٰ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد واذا قرأ فانصتوا (جب امام قرارت کرے تو خاموش رہو) امام احمد و اسحٰق (بن راہویہ) اور امام مسلم وغیرہ کے نزدیک صحیح ہے بخلاف اس حدیث کے (جس سے قرارت فاتحہ خلف الامام کا وجوب ثابت کیا جاتا ہے اس کو صحیح میں شامل نہیں کیا گیا اور چند وجوہ سے اس کا ضعیف ہونا ثابت ہو چکا ہے اور وہ صرف عبادۃ بن الصامت کا قول ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں) اس کے بعد صاحب تکمیل نے قرارت فاتحہ خلف الامام کا ثبوت ائمہ کرام کے اقوال سے دینا چاہا ہے جن میں امام مالک اور امام احمد کو بھی شامل کر لیا ہے حالانکہ کتاب المغنی کے حوالہ سے ہم بتلا چکے ہیں کہ امام احمد کا قول ہے قرارت فاتحہ خلف الامام ہرگز نہیں وہ تو اس بات پر اجماع نقل کرتے ہیں کہ مقتدی کے ذمہ قرارت فاتحہ کسی کے نزدیک بھی واجب نہیں اور جہری نماز میں تو امام مالک اور احمد بن حنبل امام کے پیچھے قرارت کو ناجائز کہتے اور مقتدی کو خاموش رہنے کا حکم دیتے ہیں البتہ سری نماز میں قرارت خلف الامام کی اجازت دیتے ہیں۔ بقیہ ائمہ کرام کا مذہب بھی آپ نے ویسا ہی نقل کیا ہوگا جیسا امام احمد اور مالک کا مذہب نقل کیا ہے اس لئے جب تک ان کے الفاظ سامنے نہ ہوں اس وقت تک فیصلہ نہیں ہو سکتا کیونکہ صاحب تکمیل نے امام زہری کا نام بھی اسی فہرست میں شمار کر دیا ہے حالانکہ ہم موطا مالک اور جزء القرأت بیہقی کے حوالہ سے دکھلا چکے ہیں کہ زہری نماز جہری میں قرارت خلف الامام کو سختی سے منع کرتے تھے امام مسلم کا اپنی جامع صحیح میں (واذا قرأ الامام فانصتوا) کی روایت کو داخل کرنا اور حدیث ابی موسیٰ و ابی ہریرہ میں اس زیادت کو صحیح قرار دینا بتلا رہا ہے کہ امام مسلم کے نزدیک قرارت خلف الامام نہیں ہے بلکہ مقتدی کو خاموش رہنا ضروری ہے اس کے خلاف جب تک ان کے صاف الفاظ نہ ہوں اس وقت تک ان کو قرارت فاتحہ خلف الامام کرنے والوں میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ امام نووی کی جو عبارت صاحب تکمیل نے

نقل کی ہے کہ جمہور علماء سلف وخلف کے نزدیک ہر رکعت میں فاتحہ پڑھنا واجب ہے اس میں قرارت خلف الامام کا ذکر نہیں صرف قرارت فاتحہ کا ذکر ہے اور اس کو ہم بھی امام اور منفرد کے حق میں واجب کہتے ہیں شاہ ولی اللہ صاحب کا مسلک حجۃ اللہ البالغہ سے ہم نقل کر چکے ہیں کہ نماز جہری میں ان کے نزدیک مقتدی کو خاموش رہنا واجب ہے وہ صرف سری نمازوں میں یا جہری کے سکتات میں قرارت خلف الامام کی اجازت دیتے ہیں اور اس میں کسی کو خلاف نہیں اسی طرح تفسیر خازن سے جو عبارت نقل کی گئی ہے اس میں بھی قرارت خلف الامام کا ذکر نہیں صرف قرارت فاتحہ کا وجوب مذکور ہے اور اس میں گفتگو نہیں محل نزاع قرارت فاتحہ خلف الامام ہے بغرض امام نووی ہوں یا بغوی ان سب نے فقط سورۂ فاتحہ کا واجب ہونا بیان کیا ہے اس کو حنفیہ بھی مانتے ہیں گفتگو اس میں ہے کہ امام کی قرارت سے یہ واجب مقتدی کے ذمہ سے ادا ہوتا ہے یا نہیں؟ سو امام احمد کے قول سے معلوم ہو چکا ہے کہ اہل اسلام میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں کہ امام کے ساتھ اگر مقتدی قرارت نہ کرے تو اس کی نماز باطل ہے پس صاحب تکمیل کا وجوب فاتحہ کے اقوال سے قرارت فاتحہ خلف الامام پر استدلال کرنا محض مغالطہ ہے امام رازی کا حدیث قسمت الصلوٰۃ بینی بین عبدی سے رکنیت فاتحہ پر استدلال کرنا جو وزن رکھتا ہے اہل علم اس کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ کیوں کہ خبر واحد سے رکنیت ثابت کرنا ان ہی لوگوں کا کام ہے جو رکن اور واجب کے فرق سے ناواقف ہیں پھر اس حدیث سے یہ بھی تو ثابت ہوتا ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم سورۂ فاتحہ کا جزو نہیں جو امام رازی اور جملہ اہل حدیث کے خلاف ہے جو جواب وہ اس کا دیں گے وہی ہماری طرف سے جواب ہوگا۔ رہا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور خلفائے راشدین نے نماز میں قرارت فاتحہ پر مواظبت اور مداومت کی ہے سو اس سے صرف امام اور منفرد پر قرارت فاتحہ کا وجوب ثابت ہوتا ہے اور حنفیہ اس کے قائل ہیں قرارت فاتحہ خلف الامام کا وجوب اس سے کیوں کر معلوم ہوا؟ جبکہ حدیث صحیح میں مقتدی کو امام کے پیچھے خاموش رہنے کا حکم ہے۔ اذا قرأ الامام فانصتوا۔ اور نص قرآن سے بھی مقتدی پر استماع وانصات کا وجوب ثابت ہے واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا۔ اور ہم بار بار بتلا چکے ہیں کہ بالاجماع یہ آیت قرارت خلف الامام سے منع کرنے میں نازل ہوئی ہے۔

نیز ہم نے کتاب کشف الاسرار کے حوالہ سے گزشتہ اوراق میں بتلا دیا ہے کہ حضرات صحابہ میں سے دس حضرات نے سختی کے ساتھ قرارت خلف الامام سے منع کیا ہے جن میں خلفاء اربعہ بھی داخل ہیں۔ اس کے بعد صاحب تکمیل نے قرارت خلف الامام کا ثبوت مشائخ کرام وصوفیہ عظام کے اقوال سے دینا چاہا ہے مگر یہاں بھی وہی مغالطہ دیا ہے کہ بعض حضرات نے قرارت سورۂ فاتحہ کو ضروری فرمایا تھا۔ آپ نے اس سے قرارت فاتحہ خلف الامام پر دلیل قائم کر دی حالانکہ قرارت فاتحہ کے واجب ہونے میں کسی کو کلام نہیں گفتگو قرارت خلف الامام میں ہے سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے اسی طرح خواجہ بہاؤالدین نقشبندی اور خواجہ معین الدین چشتی اور خواجہ شہاب الدین سہروردی کے اقوال سے صرف قرارت فاتحہ کا وجوب ثابت ہوتا ہے نہ کہ قرارت خلف الامام کا۔ سلطان نظام الدین اولیاء کے تذکرہ سے نقل کیا گیا ہے۔ لکنہ یجوز القراۃ بالفاتحۃ خلف الامام فی الصلوٰۃ وکان یقرأھا فی نفسہ کہ وہ حنفی تھے لیکن قرارت فاتحہ خلف الامام کو جائز کہتے تھے اور فی نفسہ قرارت کرتے تھے صاحب تکمیل کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آہستہ پڑھتے تھے ہمارے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ دل میں پڑھتے یا امام کی قرارت سے پہلے یا اس کے سکتہ میں تنہا قرارت کرتے تھے ساتھ قرارت نہ کرتے تھے اگر وہ نماز جہری میں امام کے ساتھ قرارت کرتے تھے تو اس کا واضح ثبوت پیش کرنا چاہیے اور یہ بھی

ان حضرات کی رائے کیا وزن رکھتی ہے؟ بتلانا چاہیئے کہ حضرات صحابہ و تابعین و ائمہ مجتہدین اور جمہور سلف و خلف کے مقابلہ میں
اس کے بعد صاحب تکمیل نے قراءت خلف الامام کا ثبوت امام ابوحنیفہ اور علماء احناف کے اقوال سے دینا چاہا ہے سب سے
پہلے علامہ شعرانی کی میزان کبریٰ کے حوالہ سے یہ لکھا ہے کہ قراءت فاتحہ خلف الامام کے بارے میں امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے دو قول
ہیں ایک یہ کہ مقتدی کو الحمد پڑھنا واجب ہے نہ سنت یہ انکا پہلا قول ہے اور یہی مشہور ہوگیا دوسرا قول یہ ہے کہ بر سبیل احتیاط
سری نماز میں قرأت فاتحہ مستحسن ہے مکروہ نہیں الخ اس پر صاحب تکمیل کا یہ حاشیہ کہ "یار لوگوں نے اس رجوع کو یعنی دوسرے
قول کو مشہور نہ ہونے دیا جس کے باعث مسلمانوں میں فرقہ بازی دھڑا بندی قائم ہوگئی" سراسر لغو ہے کیوں کہ اول تو دونوں
قولوں میں کچھ تعارض نہیں پہلے قول میں وجوب اور سنیت کی نفی تھی دوسرے میں استحباب کا ذکر ہے کوئی بتلائے کہ ان میں
تعارض کیا ہوا؟ پھر ہدایہ میں جو فقہ حنفی کی مشہور کتاب اور داخل درس ہے یہ دوسرا قول مذکور ہے کہ امام محمد نے احتیاطاً
سری نمازوں میں قراءت فاتحہ کو مستحسن قرار دیا ہے۔ ہدایہ سے زیادہ کونسی کتاب فقہ حنفی میں مشہور ہے؟........
تو یہ کہنا غلط ہے کہ یار لوگوں نے دوسرے قول کو مشہور نہ ہونے دیا۔

پھر شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اور حضرت فقیہ الامت رشید الملت قطب الارشاد مولانا رشید
احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب سبیل الرشاد میں اس کی تصریح کی ہے کہ جہری کے سکتات میں قراءت فاتحہ
خلف الامام جائز ہے۔ امام کے ساتھ ساتھ جہری نماز میں قراءت کرنا مقتدی کو منع ہے۔ صاحب تکمیل کا یہ کہنا کہ جب امام
صاحب اپنے ایک قول کو غلط سمجھ کر اس سے رجوع کر چکے پھر ان کے ذمہ اس کو لگانا اور اس پر مباحثے اور مناظرے کر کے مسلمانوں
میں پھوٹ ڈالنا کہاں تک دیانت وانصاف ہے الخ سراسر لغو ہے امام صاحب نے اپنے پہلے قول سے رجوع نہیں فرمایا
رجوع کی ضرورت تھی کیونکہ امام احمد بن حنبل رح کے قول سے ظاہر ہوچکا ہے کہ "اہل اسلام میں کوئی بھی اس کا قائل نہیں
کہ جب امام قراءت کر رہا ہو اس وقت مقتدی کے ذمہ قراءت واجب ہے اور اگر وہ قراءت نہ کرے تو اس کی نماز فاسد ہے"
امام صاحب نے دوسرے قول سے صرف سری نمازوں میں احتیاطاً قراءت فاتحہ کو مستحسن اور مستحب فرمایا ہے جیسا صاحب ہدایہ
نے امام محمد سے نقل کیا ہے اور یہ پہلے قول کے معارض نہیں اور جملہ کتب شروح میں یہ قول مذکور ہے رہا اس مسئلہ میں مناظرے اور مباحثے
کرنا تو اس کی ابتدا جماعت اہل حدیث سے کی طرف سے ہوئی ہے انھوں نے صاحب تکمیل البرہان کی طرح حنفیوں کی نمازوں کو فاسد۔
باطل۔ بیکار کہہ کر آسمان سر پر اٹھا لیا محض اس لئے کہ وہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتے تو علماء احناف کو اس کا جواب دینے کی
ضرورت پیش آئی جیسا اس وقت اس ناچیز کو تکمیل البرہان کے جواب میں قلم اٹھانا پڑا اگر جماعت اہل حدیث مسائل خلافیہ میں اس
قدر شدت کے ساتھ نزاع نہ کرتی تو حنفیہ کو مناظرہ ومباحثہ کی اسلا ضرورت نہ تھی۔ آخر مکہ و مدینہ میں بھی تو شافعیہ موجود ہیں جو
قراءت فاتحہ خلف الامام کو فرض جانتے ہیں مگر حنفیہ کی نمازوں کو باطل و فاسد نہیں کہتے وہ جانتے ہیں کہ مسئلہ اختلافی ہے حنفیہ
کے پاس بھی قرآن وحدیث اور عمل سلف وخلف سے دلائل موجود ہیں اس لئے کسی کو حق نہیں کہ ایک دوسرے کے مسلک کو
باطل اور نمازوں کو فاسد قرار دے اس لئے وہاں ان مسائل میں مناظرہ ومباحثہ کی کبھی نوبت نہ آئی۔ پاکستان یا ہندوستان میں اس
کی نوبت جماعت اہل حدیث کی دریدہ دہنی کی وجہ سے پیش آئی والبادی اظلم غیث الغمامہ کے حوالہ سے علامہ عینی کا جو قول
شرح بخاری سے نقل کیا گیا ہے اس میں یہ لفظ تو ہے علی ان بعض اصحابنا استحسنوا ذالک علی سبیل الاحتیاط فی جمیع الصلوات
ومنہم من استحسنہا فی غیر الجہریۃ ومنہم من رای ذالک اذا کان الامام لا ینا د (صفحہ ۱۲ ج ۲) پھر ہمارے بعض اصحاب

کے پیچھے مستحسن سمجھا ہے اور (قراءت خلف الامام) کو بر سبیل احتیاط تمام نمازوں میں اور بعض نے سری نمازوں میں اور بعض نے ۔ مگر واجب نہیں سمجھا اور جہری نمازوں میں امام کی قراءت کے ساتھ مقتدی کو قراءت کی اجازت نہیں دی
بلکہ اس کی قراءت سے پہلے یا پیچھے اجازت دی ہے تاکہ فرض انصات فوت نہ ہو کیوں کہ مقتدی کے ذمہ قراءت امام کے وقت سننا اور
خاموش رہنا واجب ہے جس کی علامہ عینی نے اسی مقام پر تصریح کر دی ہے ۔ مگر علامہ عینی کی عبارت میں اس جگہ لفظ علیہ
فقہاء الحجاز والشام نہیں ہے (ذکر فقہاء حجاز و شام کا بھی اسی پر ہیں) اگر غیث الغمام میں اس جگہ یہ لفظ موجود ہے تو علامہ عینی کی
طرف نسبت صحیح نہیں اور اگر اس میں بھی یہ لفظ نہیں ہے تو یہ صاحب تکمیل کی ایجاد ہے علامہ عینی کی عبارت میں جس جگہ فقہاء
حجاز و شام کا ذکر ہے وہ صاحب تکمیل کے لئے مفید نہیں بلکہ مضر ہے ۔ ان کی عبارت ملاحظہ ہو ۔ وقال الثوری والاوزاعی
فی روایۃ وابوحنیفۃ وابو یوسف ومحمد واحمد فی روایۃ وعبد اللہ بن وہب والاشہب لا یقرأ المؤتم شیئا من القرآن
ولا بفاتحۃ الکتاب فی شیء من الصلوات وھو قول ابن المسیب وجماعۃ من التابعین وفقہاء الحجاز والشام علی
انہ لا یقرأ معہ فیما یجہر بہ وان لم یسمع ویقرأ فیما یسر فیہ الامام اھ عمدہ ج۳ ص۱۱
امام اوزاعی کا ایک روایت میں اور امام ابوحنیفہ وابو یوسف اور محمد کا اور امام احمد کا ایک روایت میں اور عبد اللہ بن وہب اور
اشہب کا قول یہ ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے کچھ قراءت نہ کرے سورۂ فاتحہ بھی کسی نماز میں نہ پڑھے اور یہی قول سعید بن المسیب
اور تابعین کی ایک جماعت کا ہے ۔ اور فقہاء حجاز و شام کا مسلک یہ ہے کہ مقتدی جہری نمازوں میں (امام کے پیچھے) قراءت
نہ کرے اگرچہ اس کی قراءت کو سنتا بھی نہ ہو اور سری نمازوں میں قراءت کرے ۔ اس کے بعد مولانا عبد الحی لکھنوی اور
شیخ التسلیم وغیرہ کے حوالہ سے جو کچھ لکھا گیا ہے سب کے اقوال میں صرف سری نمازوں میں قراءت خلف الامام کا استحسان
ہے سب کے اقوال میں صرف سری نمازوں میں قراءت خلف الامام کا استحسان ہے چنانچہ مولانا عبد الحی رح ملاجیون رح استاد
عالمگیری کی عبارتوں میں امام محمد کے قول کا حوالہ صراحتاً موجود ہے اور امام محمد کے قول میں سری نمازوں کی قید صراحتاً مذکور ہے اور اس
میں کسی کو نزاع نہیں بلکہ ہم تو جہری نمازوں میں بھی امام کی قراءت سے پہلے یا پیچھے مقتدی کو قراءت فاتحہ کی اجازت دیتے ہیں
البتہ امام کے ساتھ ساتھ پڑھنے کو منع کرتے ہیں ۔ کہ اس صورت میں فرض انصات فوت ہوتا ہے جس کی قرآن وحدیث میں
تاکید ہے ۔ امام رازی کا یہ قول کہ امام ابوحنیفہؒ نے اس امر میں ہماری موافقت کی ہے کہ امام کے پیچھے الحمد پڑھنے سے نماز
باطل نہیں ہوتی اھ ۔ صاحب تکمیل کے لئے مفید نہیں کیوں کہ الحمد پڑھنے کی صورت میں نماز کے باطل نہ ہونے سے
قراءت خلف الامام کا استحباب یا وجوب کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا اس کے بعد دفع دخل مقدر کے طور پر صاحب تکمیل نے ملا علی
قاری اور امام ابن الہمام کے اقوال کو مولانا عبد الحی لکھنوی کی عبارت سے رد کیا ہے اہل علم سمجھ سکتے ہیں کہ امام ابن الہمام اور
ملا علی قاری کے سامنے مولانا عبد الحی کا کیا درجہ ہے ؟ اس پر صاحب تکمیل کا خوش ہونا اور علماء حنفیہ کو الزام دینا ۔
بجز الغریق یتشبث بالحشیش کے اور کیا ہے ؟ اس کے بعد ان کا یہ کہنا کہ " زیادہ افسوس تو ان علماء حنفیہ پر آتا ہے جو
احادیث صحاح ستہ پر متوجہ نہیں ہوتے بلکہ حمیت مذہبی کی وجہ سے روایات موضوعہ ومکذوبہ وآثار مختلقہ وباطلہ کو اپنی تصنیفات
وتحریرات وحواشی میں درج کر کے اپنے عوام وجہلاء کو فتنے میں ڈالتے ہیں اھ ۔

یہ ہے وہ طرز کلام جو جماعت اہل حدیث کے اکثر افراد کا شیوہ ہے یہی لوگ ۔ فروعی مسائل میں شدت کے ساتھ نزاع
کرنے والے ہیں ۔ ... کیا صاحب تکمیل کو نظر نہیں آیا کہ علماء حنفیہ قراءت خلف الامام سے منع کرنے کے لئے سب سے پہلے

قرآن کریم کی آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا پیش کرتے ہیں اور ہم بتلا چکے ہیں کہ بالاجماع اور بالاتفاق یہ آیت قرات خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس کے بعد حدیث صحیح انما جعل الامام لیؤتم به فاذا کبر فکبروا واذا قرأ فانصتوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امام اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اتباع کی جائے تو جب وہ تکبیر کہے تکبیر کہو اور جب قرات کرے خاموش رہو) جس کو امام مسلم نے صحیح قرار دیا اور ابوداؤد نے سند صحیح سے روایت کیا ہے تو کیا مسلم وابوداؤد وصحاح ستہ سے خارج ہیں؟ پھر وہ حدیث صحیح من کان له امام فقراءت له قراءة ۔ سے استدلال کرتے ہیں اس حدیث کو ابن ماجہ نے سنن میں، احمد بن منیع نے اپنی مسند میں امام محمد نے موطا اور کتاب الآثار میں روایت کیا ہے۔ پھر موطا امام مالک اور ترمذی اور مصنف ابن ابی شیبہ ومصنف عبدالرزاق وغیرہ سے صحابہ وتابعین کے آثار بیان کرکے سلف وخلف کے تعامل سے اپنے مذہب کی تائید بیان کرتے ہیں تو کیا صاحب تکمیل کے نزدیک موطا امام مالک اور ترمذی وغیرہ کی یہ حدیثیں موضوع ومکذوب اور باطل ہیں؟ کچھ تو خدا کا خوف اور شرم وحیا کا پاس کرکے بات کرنا چاہیے اور یہ ساری دلیری اور بیباکی اس بر تہ پر ہے کہ خود صاحب تکمیل نے اپنے دلائل میں جزء القراءت بیہقی سے بہت سی احادیث وآثار ایسے نقل کئے ہیں جن کی سند ضعیف اور واہی ہے جیسا گذشتہ اوراق میں مفصل گذر چکا ہے۔ اس کے بعد مولانا عبدالحیؒ لکھنوی کا یہ قول نقل کرکے کہ بعض فقہاء نے جو یہ کہا ہے کہ قرات خلف الامام سے مقتدی کی نماز باطل ہو جاتی ہے یہ قول شاذ و مردود ہے امام محمد سے مروی ہے کہ انہوں نے مقتدی کے لئے سری نمازوں میں قرات فاتحہ کو مستحسن سمجھا ہے الخ عوام کو یہ دھوکہ دیا گیا ہے کہ مولانا عبدالحی رح اور امام محمد رح مقتدی کے ذمہ قرات فاتحہ کو واجب سمجھتے ہیں حالانکہ مولانا عبدالحی رح کی عبارت میں سری نمازوں کی تصریح موجود ہے اور جہری نمازوں میں سکتات امام کی قید بھی مذکور ہے تاکہ استماع وانصات میں خلل واقع نہ ہو اس کے بعد جن علماء احناف سے قرات خلف الامام کا جواز نقل کیا گیا ہے وہ سب سری نمازوں میں اور جہری نمازوں میں سکتات امام کے ساتھ مقید ہے علماء حنفیہ میں امام کے ساتھ ساتھ فرض انصات کو ترک کرکے جواز قرات کا کوئی بھی قائل نہیں۔

اس کے بعد صاحب تکمیل نے مانعین قرات فاتحہ خلف الامام کے دلائل سے بھی تعرض کیا ہے اور سب سے پہلے آیت قرآن واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا[1] کو پیش کرکے اپنی طرف سے ایک جواب دیا ہے مگر یہ کیا ضروری ہے کہ صاحب تکمیل کے جواب سے استدلال کرنے والے کی تشفی بھی ہو جائے۔ جواب تو ہر شخص ہر دلیل کا دے سکتا ہے یہ کیا ضروری ہے کہ صاحب تکمیل کے جواب سے استدلال کرنے والے کی تشفی بھی ہو جائے۔ جواب تو ہر شخص ہر دلیل کا دے سکتا ہے یہ کیا ضروری ہے کہ ہر جواب صحیح بھی ہو۔ پھر ان لوگوں کو جو قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کر رہے ہیں دریدہ دہنی کے ساتھ مذہب پرست استخوان فروش وغیرہ وغیرہ کلمات واہیہ سے یاد کرنا اور ان کے دلائل کو روایات موضوعہ ومکذوبہ پر مبنی کہنا کہاں کی تہذیب اور دیانت وانصاف ہے؟ ہم بتلا چکے ہیں کہ بالاتفاق یہ آیت قرأت خلف الامام سے منع کرنے کے متعلق نازل ہوئی ہے امام احمد بن حنبل نے اس کی تصریح کی ہے اور تفسیر طبری وغیرہ سے بھی بہت آثار ہم نے گزشتہ اوراق میں بسند صحیح وحسن نقل کر دیئے ہیں۔

[1] تفوہ کا ترجمہ صاحب تکمیل نے سخت بکواس کیا ہے یہ بے ادبی گستاخی انہی کو مبارک ہو لفظ تفوہ کے معنی تکلم اور نطق سے زیادہ نہیں ۱۲

[2] اور جب قرآن پڑھا جائے اس کو سنو اور خاموش رہو۔ ۱۲

دسمبر ۲۰۰۶ء

جن سے یہ بات واضح ہے کہ لوگ پہلے قرارت خلف الامام کرتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی صاحب تکمیل کا یہ کہنا کہ "برادران
احناف فاتحہ خلف الامام پڑھنے کی احادیث کو آیت ہذا کا معارض سمجھ کر ان احادیث کو نہیں مانتے الخ" بالکل غلط ہے بلکہ ہم
ان احادیث کو امام یا منفرد پر محمول کرتے ہیں اور مقتدی کو امام کی قرارت کی وجہ سے قاری شمار کرتے ہیں تارک قرارت
نہیں مانتے کیوں کہ مسلم اور ابو داؤد کی صحیح حدیث میں اذا قرأ الامام فانصتوا صاف موجود ہے کہ جب امام قرارت کرے
تم خاموش رہو۔ اور ابن ماجہ و موطا محمد و مسند احمد بن منیع میں صحیح حدیث موجود ہے۔
من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ جو شخص امام کے ساتھ ہو امام کی قرارت اس کے لئے قرارت ہے۔ حنفیہ
حضرت عبادہ کی حدیث صحیح کو ہرگز نہیں چھوڑتے بلکہ اس کو بھی مانتے ہیں اور قرآن کریم کی آیت اور حدیث صحیح اذا قرأ فانصتوا
اور من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ۔ سب کو جمع کرکے یہ فرماتے ہیں کہ جہری نمازوں میں امام کی قرارت کے تھا قرارت
کرنا منع ہے اس سے پہلے یا پیچھے سکتہ امام میں اور سری نمازوں میں قرارت خلف الامام جائز یا مستحسن ہے۔ ....
مگر صاحب تکمیل اور اس کی جماعت ہے جو جہری نمازوں میں امام کے ساتھ ساتھ قرارت کو واجب کہتے اور حدیث صحیح
اذا قرأ فانصتوا اور حکم خداوندی اذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا کی صریح مخالفت کرتے ہیں۔
حنفیہ کی اس دلیل کا ایک جواب تو آپ نے یہ دیا ہے کہ قرارت فاتحہ خلف الامام کی احادیث اس آیت کے معارض
نہیں بلکہ مخصص ہیں اور تخصیص الکتاب بالسنۃ جائز ہے جبکہ حدیث متواتر ہو اور حدیث لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ
الکتاب یقیناً متواتر ہے جیسا امام بخاری نے جزء القرارت میں فرمایا ہے۔ وتواتر الخبر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
لاصلوٰۃ الا بقراءۃ ام القرآن الخ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خبر متواتر ہے کہ نماز نہیں مگر سورۂ فاتحہ کی قرارت
کے ساتھ۔ سوال از آسمان جواب از ریسمان اسی کا نام ہے گفتگو قرارت فاتحہ خلف الامام میں اور تواتر قرارت فاتحہ کا بیان
کیا جاتا ہے۔ ہم بار بار کہہ چکے ہیں کہ قرارت سورۂ فاتحہ کے وجوب میں کسی کو نزاع نہیں۔ گفتگو اس میں ہے کہ امام کے
پیچھے مقتدی پر سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے یا نہیں؟ اور امام کی قرارت اس کے لئے کافی ہے یا نہیں؟ ہم کہتے ہیں کہ
قرارت فاتحہ نماز میں واجب ہے مگر امام کی قرارت مقتدی کے لئے کافی ہے وہ اس حالت میں کہ تارک قرارت نہیں بلکہ
بمنزلہ قاری کے ہے اور ان دونوں مقدمات کا ثبوت صحیح حدیث سے بار بار گزر چکا ہے پس اگر صاحب تکمیل کو ہمت ہے
تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرارت فاتحہ خلف الامام کا تواتر ثابت کریں۔ محض قرارت فاتحہ کا تواتر بیان کر کے عوام کو
قرارت خلف الامام کا دھوکہ دینا محض مغالطہ ہے۔

پھر حنفیہ کے نزدیک مشہور و متواتر وہ حدیث ہے جس کو تابعین نے بالاتفاق قبول کیا ہو اور اس مسئلہ میں تابعین کا
اختلاف ہے تو اس حدیث کو متواتر یا مشہور نہیں کہا جا سکتا علامہ عینی شرح بخاری میں فرماتے ہیں۔

فان قلت هذا الحديث مشهور فتجوز الزيادة بمثله قلت لا نسلم انه مشهور لان المشهور ما تلقاه التابعون
بالقبول وقد اختلف التابعون في هذه المسئلة ولئن سلمنا انه مشهور فالزيادة بالخبر المشهور انما تجوز
اذا كان محكما اما اذا كان محتملا فلا وهذا الحديث محتمل لان مثله يستعمل لنفي الجواز ويستعمل لنفي الفضيلة
كقوله صلى الله عليه وسلم لا صلوة لجار المسجد الا في المسجد - ولا صلوة بحضرة طعام رواه مسلم الخ ص ۱۱ ج ۶۔
(ترجمہ) اگر تم کہو کہ یہ حدیث مشہور ہے اور اس سے زیادت کتاب اللہ پر جائز ہے تو میں کہوں گا ہم

اس کا مشہور ہونا تسلیم نہیں کرتے کیوں کہ مشہور وہ ہے جس کو تابعین نے قبول کیا ہے اور اس مسئلہ میں تابعین کے
درمیان اختلاف ہے اور اگر مان لیا جائے کہ یہ مشہور ہے تو حدیث مشہور سے کتاب اللہ پر زیادت اس وقت جائز
ہے کہ وہ (اپنے مدلول و مفہوم میں) محکم ہو اور اگر محتمل ہو تو (اس سے زیادت کتاب اللہ پر جائز) نہیں اور یہ
حدیث (لا صلوٰۃ الا بقراءۃ ام القرآن) محتمل ہے کیوں کہ اس قسم کا لفظ کبھی نفی جواز (وعدم صحت) کے لئے
مستعمل ہوتا ہے .... اور ....
کبھی نفی فضیلت کے لئے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مسجد کے ہمسایہ کی نماز بغیر مسجد کے نہیں (اس کا مطلب
بالاتفاق یہ ہے کہ بغیر مسجد میں ادا کئے اس کی نماز کامل نہ ہو گی یہ معنی نہیں کہ بالکل صحیح نہ ہو گی) اور (نیز آپ کا ارشاد ہے) کہ
کھانے کے سامنے نماز نہیں اس کو مسلم نے روایت کیا ہے اور (اس کا بھی بالاجماع یہی مطلب ہے کہ جب بھوکے کے سامنے
کھانا آجائے اس وقت کھانا چھوڑ کر نماز پڑھے گا تو نماز کامل نہ ہو گی یہ مراد ہرگز نہیں کہ نماز صحیح نہ ہو گی پس ایسے ہی لا صلوٰۃ
الا بقراءۃ ام القرآن - میں بھی احتمال ہے کہ اس کا یہ مطلب ہو کہ بغیر قراءت فاتحہ کے نماز کامل نہ ہو گی۔ پھر اس حدیث کو قراءت
خلف الامام سے کوئی تعلق نہیں اس میں صرف قراءت فاتحہ کا ذکر ہے اور اس کو ہم بھی واجب کہتے ہیں مگر مقتدی پر واجب
نہیں کہتے - کیوں کہ آیت قرآن اور صحیح حدیثوں میں مقتدی کو خاموش رہنے کا صریح حکم ہے اس کی خلاف ورزی جائز نہیں
اس تقریر سے صاحب تکمیل کی اس بات کا بھی جواب ہو گیا کہ یہ آیت مکی ہے اور (قراءت فاتحہ کا حکم مقتدی کو نبی علیہ الصلوٰۃ
والسلام نے مدینہ طیبہ میں دیا ہے پس کیا مقدم النزول آیت کسی مؤخر الافتراض کے لئے ناسخ ہو سکتی ہے؟ ان سے کوئی پوچھے
کہ مدینہ طیبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کونسی حدیث میں مقتدی کو قراءت فاتحہ کا حکم دیا ہے؟ اگر حضرت عبادہ کی حدیث
لا تفعلوا الا بام القرآن - مراد ہے تو ہم بتلا چکے ہیں کہ اس سے وجوب وہی ثابت کر سکتا ہے جس کو اصول و قواعد عربیہ سے
واقفیت نہ ہو ورنہ ہر سمجھدار فقیہ جانتا ہے کہ نہی کے بعد استثناء سے اباحت مستفاد ہوتی ہے وجوب ثابت نہیں ہوتا پھر
اسی حدیث کے الفاظ ابوداؤد میں اس طرح پر ہیں ان کنتم لابد فاعلین فلا تفعلوا الا بام الکتاب - اگر تم امام کے پیچھے ضرور
ہی قراءت کرنا چاہتے ہو تو سورۃ فاتحہ کے سوا نہ کیا کرو - اس سے ہر عامی بھی اباحت ہی سمجھ سکتا ہے وجوب نہیں سمجھ سکتا
اور تفسیر فتح البیان سے جو نقل کیا گیا ہے کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہ کی حدیثوں میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کا حکم
موجود ہے الخ ———— بڑی جرأت ہے ————
کہ .... بخاری و مسلم کی کسی حدیث میں قراءت خلف الامام کا حکم نہیں ہے صاحب تکمیل البرہان کو خدا کا
خوف کر کے بات کرنا چاہیے - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایک حدیث میں بھی ہرگز یہ نہیں فرمایا کہ مقتدیوں کو امام
کے پیچھے قراءت کرنا چاہتا ہے بلکہ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں یہ حکم دیا ہے اذا قرأ الامام فانصتوا جب امام قراءت کرے تو تم
خاموش رہو اور اس حدیث کو امام احمد اور مسلم اور مفسر طبری اور علامہ ابن تیمیہ وغیرہم نے صحیح فرمایا ہے اور حدیث عبادہ میں
لا تفعلوا الا بام القرآن کی زیادت کو امام احمد اور یحییٰ بن معین اور ایک جماعت محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے جیسا کتاب المغنی
اور علامہ ابن تیمیہ کے رسالہ تنوع العبادات کے حوالہ سے اوپر گذر چکا ہے - اور حدیث عبادہ کا جو حصہ صحیح ہے اس کو قراءت
خلف الامام سے کچھ واسطہ نہیں وہ منفرد اور امام کے متعلق ہے جیسا خود راوی حدیث سفیان بن عیینہ نے فرمایا ہے قال
هذا اذا کان وحدہ - یہ حدیث اس شخص کے بارے میں ہے جو اکیلا نماز پڑھتا ہو - اس کے بعد صاحب تکمیل نے آیت

اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا اور آیت فاقرءوا ما تیسر من القرآن میں تعارض ثابت کر کے دونوں کو ساقط کرنا چاہا ہے اور نور الانوار و توضیح و تلویح کا حوالہ بھی دیدیا ہے حالانکہ تعارض کے لئے اتحاد محل شرط ہے جو یہاں مفقود ہے کیوں کہ آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا بالاتفاق قرارت خلف الامام کے متعلق ہے اور فاقرءوا ما تیسر من القرآن صلوٰۃ منفرد کے متعلق ہے کیوں کہ یہ آیت قیام اللیل کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور قیام اللیل جماعت سے نہیں ہوتا منفرداً ہوتا ہے طلبہ کو تعارض کا مطلب سمجھانے کے لئے مثال کے طور پر نور الانوار وغیرہ میں ان آیتوں کو پیش کر دیا گیا کہ شان نزول کو نہ دیکھا جائے تو ظاہر میں تعارض معلوم ہوگا ورنہ حقیقتاً تعارض ثابت کرنا مقصود نہیں جیسا فقہاء کے طرز عمل سے واضح ہے کہ وہ برابر دونوں آیتوں سے استدلال کرتے چلے آ رہے ہیں ملاحظہ ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔

عینی شرح البخاری ص۱۱ ج۱ پھر حنفیہ پر صاحب تکمیل نے یہ الزام قائم کیا ہے کہ اس آیت اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا سے حنفیہ نے خطبہ جمعہ کے وقت خاموش رہنے کو واجب کہا ہے لیکن یہ بھی کہتے ہیں کہ جب خطیب آیت یاایہا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما پڑھے تو سننے والا آہستہ درود پڑھ لے۔ تو فاتحہ خلف الامام آہستہ پڑھنے سے کیوں روکتے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ ہم بار بار کہہ چکے ہیں کہ آیت کا نزول بالاتفاق قرارت خلف الامام کے بارے میں ہے خطبہ جمعہ کو نماز کے ساتھ بعد میں ملحق کر لیا گیا ہے ورنہ مکہ میں جمعہ کی نماز اور خطبہ کہاں تھا؟ پس جس قدر استماع و انصات کی تاکید نماز میں ہے خطبہ میں نہیں ہے اس لئے بعض فقہاء نے یہ سمجھ کر درود پڑھنے کی اجازت دے دی کہ خطبہ میں امام سے کسی ضرورت کے وقت بات کرنا یا دعا کی درخواست کرنا جائز ہے اور امام کو بھی مقتدیوں سے بات کرنا اور کوئی ضروری بات پوچھنا یا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا جائز ہے اور اس وقت مقتدی امام کی بات کا جواب بھی دے سکتا ہے جیسا واقعہ سلیک غطفانی سے کہ حضورؐ نے خطبہ کے وقت اُن سے بات کی اور ایک دفعہ خطبہ میں حضورؐ سے بارش کی دعا کو کہا گیا تھا۔ کہ خطبہ میں حضرت عثمان کو دیر کے آنے پر تنبیہ کی تھی اور انھوں نے جواب میں اپنا عذر بیان کیا تھا۔ بخاری کا ظاہر ہے کہ اس کو خطبہ کے منافی نہیں سمجھا گیا۔ اسی طرح جب خطیب خطبہ کے اندر حکم کر رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو تو اس حکم کی تعمیل بھی خطبہ کے منافی نہیں آہستہ درود پڑھ سکتے ہیں بلند آواز سے نہیں اور بعض فقہاء حنفیہ نے اس صورت میں بھی زبان سے درود پڑھنے کی اجازت نہیں دی ہے صرف دل سے پڑھنے کی اجازت دی ہے فلا اشکال

ایک الزام یہ دیا ہے کہ نماز فجر شروع ہونے کی حالت میں امام کی قرآت کے وقت صف کے پیچھے سنتیں پڑھنا حنفیہ کے نزدیک جائز ہے اور آیت اذا قرئ القرآن سے اس کو ممنوع قرار نہیں دیتے تو اس آیت سے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا کیوں ممنوع ہے؟ جواب یہ ہے کہ عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مغفل کی روایت اوپر گزر چکی ہے جس میں تصریح ہے کہ یہ آیت صرف مقتدی کے حق میں ہے کہ وہ قرارت خلف الامام نہ کرے بلکہ خاموش رہے۔ اس کے سوا دوسرے موقعہ پر قرآن پڑھا جائے تو سننا اور خاموش رہنا فرض نہیں بعض فقہاء حنفیہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے ان کے نزدیک نماز فجر کے وقت مسجد میں ایک طرف سنت فجر پڑھنا جائز ہے کیوں کہ یہ شخص مقتدی نہیں ہے اور بعض فقہاء نے عموم لفظ کی بنا پر ایسی جگہ سنت فجر پڑھنے کو منع کیا ہے جہاں امام کی قرارت سننے میں آتی ہو وہ فرماتے ہیں کہ مسجد کے دروازہ پر یا مسجد سے باہر سنتیں پڑھ کر جماعت میں شریک ہونا چاہیے رہا مقتدی کا سبحانک اللہم پڑھنا سو اس میں حنفیہ کا صحیح قول یہ ہے کہ جہری نماز میں امام کی قرارت کے وقت مقتدی کو سبحانک اللہم پڑھنا جائز نہیں۔ بلکہ تکبیر تحریمہ کہہ

فاران کراچی

اور سکتات امام میں سورہ فاتحہ بھی پڑھ سکتا ہے جیسا کہ خاموش رہے اور موقعہ ملے تو سکتات امام میں سبحانک اللھم پڑھ لے اور سکتات امام میں سورہ فاتحہ بھی پڑھ سکتا ہے بار گذر چکا ہے۔ رہا یہ کہ جب امام جہر کر رہا ہو اس وقت اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع بھی نہ کرنا چاہیئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ شرط صلوٰۃ ہے رکن صلوٰۃ نہیں تو تکبیر تحریمہ کے وقت یہ شخص مقتدی نہیں تکبیر کے بعد مقتدی بنے گا اور اسی وقت قرآن کا سننا اور خاموش رہنا واجب ہوگا اس سے پہلے نہیں دوسرے اس پر سب کا اجماع بھی ہے کہ امام کی قراءت سنتے ہوئے تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز میں شریک ہونا درست ہے۔ پس صاحب تکمیل کو اپنی ہی فہم و دانش کا ماتم کرنا چاہیئے۔ اور امام بخاری کی جزء القراءت سے جو الزام نقل کیا گیا ہے کہ مدارس و مکاتب میں استاد ایک بچہ کو سبق دیتا ہے اور باقی بچے بھی برابر قراءت کرتے ہیں وہاں آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا کی بنا پر بچوں کو خاموش نہیں کیا جاتا الخ اس کا ایک جواب تو وہی ہے جو اوپر گذر چکا ہے کہ یہ آیت مقتدی کے حق میں ہے غیر مقتدی کے حق میں نہیں ہے دوسرے بچوں کو بڑوں پر قیاس کرنا ہی غلط ہے بچے تو بے وضو بھی قرآن پڑھتے ہیں ان کو مرفوع القلم قرار دیا گیا ہے۔

اس کے بعد دعویٰ کیا گیا ہے کہ انصات کے معنی مطلقاً چپ رہنے کے نہیں بلکہ سکوت مع الاستماع کے ہیں۔ تو اس سے بھی حنفیہ کا مطلب حاصل نہیں ہو سکتا کیوں کہ اس سے نماز جہری میں صرف امام کی قراءت کے وقت ممانعت ہوگی سکتات امام میں قراءت کرنے کی ممانعت آیت ہذا سے ہرگز ثابت نہیں ہوتی حالانکہ حنفیہ کا دعویٰ ہے کہ جہری نماز میں سکتات امام کے وقت بھی قراءت ناجائز و حرام ہے۔ یہ حنفیہ پر افترا ہے جو لوگ سکتات امام کی رعایت کر کے سورۂ فاتحہ خلف الامام پڑھ سکیں اس کو کسی نے ناجائز و حرام نہیں کہا اسی طرح سری نمازوں میں بھی قراءت فاتحہ خلف الامام آہستہ جائز ہے جب کہ امام سے منازعت اور تشویش نہ ہو جیسا بار بار ذکر ہو چکا ہے اس کے بعد دعویٰ کیا گیا ہے کہ جب امام جہر سے قراءت کرے اور مقتدی آہستہ آہستہ انہی الفاظ کو پڑھتے جائیں تو اس میں بہت اچھی طرح استماع و انصات بھی پایا جائے گا الخ یہ محض دعوےٰ ہے کہ جو قابل قبول نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نزول وحی کے وقت اپنے لبوں کو حرکت دے کر ساتھ ساتھ پڑھتے تھے جہر نہ کرتے تھے۔ حق تعالیٰ نے اس سے بھی منع فرمایا اور ارشاد ہوا :۔

لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ ان علینا جمعہ وقرآنہ ۔ فاذا قرأناہ فاتبع قرآنہ

(قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کیجئے تاکہ جلدی یاد ہو جائے ہمارے ذمہ ہے اس کو (آپ کے دل میں) جمادینا اور پڑھوا دینا تو جب ہم (بواسطہ جبریل کے) اس کو پڑھیں تو اس کی قراءت کا اتباع کیجئے۔ اس کی تفسیر میں عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں فاستمع لہ وانصت کہ جب وحی نازل ہو تو اس کو سنتے رہیئے اور خاموش رہیئے (اس کے بعد آپ زبان کو حرکت نہ دیتے اور خاموش رہتے ۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف ص۳ ج۱

معلوم ہوا کہ قراءت قرآن کے وقت زبان کو حرکت دینا اتباع نہیں ہے اور مقتدی کو امام کے اتباع کا امر کیا گیا ہے انما جعل الامام لیؤتم بہ کہ امام بنایا ہی اسی لئے گیا ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے اور حدیث ابن عباس سے معلوم ہو گیا کہ اتباع قراءت یہ ہے کہ بالکل خاموش رہے زبان کو حرکت نہ دے اور لغت میں بھی انصات کے معنی سکوت ہی کے ہیں البتہ اگر انصت لہ بولا جائے تو اس کے دو معنی ہیں ایک خاموش رہنا دوسرے کان لگا کر سننا اور جب انصات مطلق ہو اس کے معنی سکوت ہی کے ہیں ملاحظہ ہو قاموس ص۹۸ ج۱

پس امام کے ساتھ ساتھ قراءت کرنا اتباع امام کے بھی خلاف ہے اور انصات کے بھی خلاف ہے۔ اس کے بعد یہ الزام دیا گیا

ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نماز میں کئی سکتے ثابت ہیں اگر مقتدی سکتات مذکورہ میں سورۂ فاتحہ پڑھ لے تو آیت واذا قری القرآن کا مخالف نہ ہوگا جواب ظاہر ہے کہ اس صورت کو ناجائز کس نے کہا؟ مگر ظاہر ہے کہ یہ سکتات امام پر واجب نہیں کیوں کہ وجوب کی کوئی دلیل نہیں اگر امام سکتہ نہ کرے تو مقتدی قراءت فاتحہ نہیں کر سکے گا نہ وہ گنہگار ہوگا نہ اس کی نماز باطل ہوگی۔

اس کے بعد دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ آیت امام کے پیچھے چلاکر پڑھنے کی ممانعت میں نازل ہوئی ہے اور امام رازی سے نقل کیا گیا ہے کہ یہی قول امام ابوحنیفہ ہے اور ان کے اصحاب کا ہے جواب یہ ہے کہ جیسے اس عبارت میں امام صاحب اور انکے اصحاب کی طرف بلا سند ایک غلط قول کی نسبت کی گئی ہے ایسے ہی یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ یہ آیت امام کے پیچھے چلاکر پڑھنے کی ممانعت میں نازل ہوئی ہے بھلا صحابہ کے متعلق کون یہ گمان کر سکتا ہے کہ وہ نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چلاکر شور کریں گے کیا ان کو نماز کی حقیقت اور اس میں خشوع و خضوع کی ضرورت کی بھی خبر نہ تھی؟ اہل حدیث جو اس قسم کی لغو تاویلیں کر کے صحیح حدیثوں کو رد کرتے ہیں اور آیت قرآنی میں غلط تاویلیں کرتے رہیں وہ تو عامل بالحدیث ہوں اور حنفیہ نصوص کے صحیح معنی بیان کریں اور صحیح طریقہ پر عمل کریں وہ مذہب پرست اور استخوان فروش قرار پائیں سبحان اللہ کیا انصاف ہے؟ ان حضرات سے کوئی پوچھے ۔ کہ اگر یہ آیت امام کے پیچھے چلاکر پڑھنے کی ممانعت میں نازل ہوئی ہے اور آہستہ قراءت جائز ہے تو خطبہ جمعہ میں بھی چلاکر بولنا ہی منع ہوگا کسی قدر آواز سے بولنا باتیں کرنا تسبیح و تکبیر و تہلیل کرنا ممنوع نہ ہونا چاہیئے کیوں کہ تمام علماء نے اسی آیت سے خطبہ میں کلام کو منع کیا ہے اور خود صاحب تکمیل نے بھی اس آیت کا شان نزول خطبہ کو قرار دیا ہے تو کیا وہ اس کے قائل ہونگے کہ خطبہ جمعہ میں امام کا خطبہ سنتے ہوئے لوگوں کو بغیر چلائے باتیں کرنا یا ذکر اللہ اور تکبیر و تسبیح و تہلیل کرنا جائز ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو خلاف اجماع ہے اہل حدیث بھی اس کے قائل نہیں اور اگر نفی میں ہے تو کیا خطبہ کا درجہ نماز سے بھی زیادہ ہے؟ کہ نماز میں تو آہستہ آہستہ پڑھنا جائز اور خطبہ میں حرام ہے۔

اس کے بعد دعویٰ کیا گیا ہے کہ عدم فرضیت فاتحہ پر حنفیہ کا آیت ہذا سے استدلال کرنا تمام محدثین و مفسرین کے خلاف ہے یہ وہی مغالطہ ہے جو شروع سے آخر تک صاحب تکمیل کا شیوہ ہے حنفیہ نے اس آیت سے عدم فرضیت فاتحہ پر کب استدلال کیا ہے؟ اس سے تو وہ قراءت خلف الامام کی عدم فرضیت پر استدلال کرتے ہیں اور اس میں جمہور سلف و خلف ان کے ساتھ ہیں۔ جیسا علامہ ابن تیمیہ کے قول سے معلوم ہو چکا ہے عدم فرضیت فاتحہ پر تو وہ آیت فاقرأوا ما تیسر من القرآن سے استدلال کرتے ہیں اور حدیث اعرابی سے ان کے استدلال کی تائید ہوتی ہے جیسا پہلے مفصل گزر چکا۔

اس کے بعد دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ آیت، نماز میں باتیں کرنے کی ممانعت میں نازل ہوئی ہے اور بعض تابعین کا قول نقل کیا گیا ہے کہ یہ آیت خطبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے خطبہ کے وقت لوگوں کو استماع کا حکم دیا گیا ہے "الخ" اس کا جواب گذر چکا ہے کہ مکہ میں نہ جمعہ قائم ہوا تھا نہ خطبہ تھا اس لئے جن حضرات نے اس آیت کو خطبہ کے متعلق کہا ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ خطبہ کو بھی نماز کے ساتھ ملحق کیا گیا ہے یہ مطلب نہیں کہ اس کا شان نزول فقط خطبہ جمعہ ہے کیوں کہ یہ آیت بالاتفاق مکی ہے اور مکہ میں نہ جمعہ تھا نہ خطبہ اور خطبہ میں آہستہ بات کرنا یا آہستہ ذکر و تسبیح پڑھنا بالاتفاق جائز نہیں تو نماز میں امام کے ساتھ آہستہ قراءت کس طرح جائز ہوگی؟ نماز میں باتیں کرنا ہجرت کے بعد بھی جائز تھا جب سورۂ بقرہ کی آیت وقوموا للہ قانتین نازل ہوئی تو باتیں کرنے سے منع کیا گیا (صحیح مسلم) اور آیت اذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا۔ بالاتفاق مکی ہے اس کو نماز میں باتیں کرنے کی ممانعت پر محمول کرنا صحیح نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ صحابہ ممانعت کے بعد بھی عام طور سے نماز میں باتیں کرتے تھے اور یہ ان کی شان سے بعید ہے اور قراءت خلف الامام مدینہ میں عام طور پر صحابہ کرتے تھے کسی ایک دو کا واقعہ نہ تھا ایسا کیا ہے جیسا حدیث پڑھنے والوں پر مخفی

نہیں ہے کہ جب حضورؐ نے پوچھا تم میں سے کس نے قراءت کی تو صرف ایک آدمی کہتا تھا میں نے قراءت کی ہے - اُس کو آپ نے منع فرمایا - پھر امام رازی کا قول نقل کیا گیا ہے کہ اس آیت میں کفار کو خطاب ہے اور اگر آیت کو قراءت خلف الامام کی ممانعت پر محمول کیا جائے تو قرآن کا سیاق و سباق ہی بگڑ جائے گا اور ترتیب مختل ہو جائے گی الخ میں کہتا ہوں امام احمد بن حنبل کا قول گذر چکا کہ بالاتفاق یہ آیت نماز کے متعلق (قراءت خلف الامام سے منع کرتے ہیں) نازل ہوئی ہے تو کیا احمد بن حنبل اور دوسرے علماء سلف سے بھی زیادہ کوئی قرآن کے سیاق و سباق کا سمجھنے والا ہو سکتا ہے؟ پھر اس آیت سے پہلے حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ھٰذا بصائر للناس وھدی ورحمۃ لقوم یؤمنون - یہ قرآن (بجائے خود) گویا بہت سی دلیلیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت و رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ جس میں اہل ایمان کا اور قرآن کا ذکر ہے اس کے بعد واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون ہے اس کے بعد واذکر ربک فی نفسک تضرعا وخیفۃ ودون الجھر من القول بالغدو والآصال ولا تکن من الغافلین ہے جس میں ہر مسلمان کو ذکر کی تاکید اور غفلت سے ممانعت ہے غرض آیت واذا قرئ القرآن سے پہلے بھی اہل ایمان کا ذکر ہے اور بعد میں بھی اہل ایمان کو خطاب ہے تو درمیان میں قراءت قرآن کے متعلق مسلمانوں کو خطاب کرنے سے قرآن کا سیاق و سباق کیسے مختل ہو گیا؟ اس آیت سے پہلے قرآن کی عظمت کا بیان ہے کہ وہ اہل ایمان کے لئے بصائر و ہدایت و رحمت ہے اس کے بعد یہ امر یقیناً اس کی عظمت کے مناسب ہے کہ جب قرآن (نماز میں) پڑھا جائے اس کو سنو اور خاموش رہو (تاکہ اچھی طرح بصیرت و ہدایت و رحمت سے حصہ حاصل کر سکو) اس کے بعد حکم ہے کہ اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی اور خوف کے ساتھ یاد کیا کرو صبح اور شام اور غافلوں میں شمار نہ ہو گا۔

بتلایئے کون عقلمند کہہ سکتا ہے کہ اس صورت میں نظم قرآن مختل ہو گیا ....

بلکہ انصاف سے دیکھا جائے تو جہاں قرآن نے کفار کے شور و غل اور چلانے کا ذکر کیا ہے وہاں رحمت کا ذکر نہیں کیا وہاں ان کو سخت عذاب کی دھمکی دی ہے۔

وقال الذین کفروا لا تسمعوا لھذا القرآن والغوا فیہ لعلکم تغلبون ۔ ....

فلنذیقن الذین کفروا عذابا شدیدا ولنجزینھم اسوا الذی کانوا یعملون - یعنی کافر لوگ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو نہ سنو اور شور و غل مچاؤ شاید (اس طرح) تم غالب آجاؤ، ہم ان کو سخت عذاب (کا مزہ) چکھائیں گے اور ان کی اس بری حرکت کی جو وہ کرتے ہیں سزا دیں گے۔

پس آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون کا عنوان ہی بتلا رہا ہے کہ اس میں مسلمانوں کو خطاب ہے وہی قرآن کو سننے اور خاموش رہنے پر رحمت کے امیدوار ہو سکتے ہیں کفار تنہا اس عمل پر رحمت کے امیدوار کیوں کر ہو سکتے ہیں جب تک ایمان نہ لے آئیں؟ پس تفسیر فتح البیان کا یہ قول ہرگز صحیح نہیں .... صرف کفار کو خطاب ہے اور مسلمانوں کو خطاب ماننے سے قرآن کی آیت میں انتشار رہے گا، بلکہ سیاق و سباق اور آیت کے عنوان سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ اس میں مسلمانوں ہی کو خطاب ہے تمام علماء مفسرین نے اس کو قراءت خلف الامام سے ممانعت پر محمول کیا ہے جیسا علامہ طبری کے حوالے سے ہم نے تفصیل کے ساتھ شروع ہی میں لکھ دیا ہے غالباً ناظرین نے اندازہ کر لیا ہو گا کہ صاحب تکمیل البرہان کس قدر ہٹ دھرمی اور عصبیت مذہبی سے حنفیہ کے دلائل پر تنقید کرتے ہیں کہ قرآن کریم کی جس آیت سے جمہور سلف و خلف نے قراءت خلف الامام کی ممانعت پر استدلال کیا تھا اس کو تفسیر فتح البیان اور رازی کے قول سے رد کرنا چاہتے ہیں الغریق یتشبث بالحشیش۔ اسی کو کہتے ہیں ظلم

ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بھی بہت نظر آتا ہے۔

اس کے بعد آپ نے حنفیہ کے دلائل حدیثیہ پر تنقید شروع کی ہے۔

پہلی دلیل یہ بیان فرمائی ہے کہ صحیح بخاری میں جو روایت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے حالت رکوع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا تو صف میں ملنے سے پہلے رکوع کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کرنے پر آپ نے اس رکعت کو لوٹانے کا حکم نہیں فرمایا اس سے حنفیہ قرأت فاتحہ خلف الامام کے فرض نہ ہونے پر دلیل لاتے ہیں کہ جب رکوع میں ملنے سے (بغیر فاتحہ کے) رکعت ہو گئی تو حالت قیام میں بھی سورہ فاتحہ بغیر ہو جائے گی الخ اس کے متعلق عرض ہے کہ یہ صرف حنفیہ کی دلیل نہیں بلکہ مالکیہ وحنابلہ نے بھی مسبوق کے اس مسئلہ سے مقتدی پر قرأت خلف الامام کے واجب نہ ہونے کے لئے استدلال کیا ہے جیسا کتاب المغنی کے حوالہ سے گذر چکا ہے اور صرف حدیث ابی بکرہ ہی سے استدلال نہیں کیا گیا بلکہ اجماع سے استدلال کیا گیا ہے امام طحاوی نے تصریح کی ہے کہ اس میں فقہاء کا اختلاف نہیں کہ مسبوق رکوع پالینے سے رکعت پالیتا ہے اور مغنی ابن قدامہ میں ہے ولانھا قراءۃ لاتجب علی المسبوق فلم تجب علی غیرہ کالسورۃ۔ پھر قرأت فاتحہ خلف الامام مسبوق پر واجب نہیں تو غیر مسبوق پر بھی واجب نہ ہوگی جیسے (ضم) سورت اھ

اس دلیل کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ قرأت کا وجوب حالت قیام میں ہے جب حالت بدل گئی حکم بھی بدل گیا۔ میں کہتا ہوں اہل حدیث کی زبان وقلم سے ایسی باتیں نکلنا جائے تعجب ہے کیوں کہ یہ تو سراسر قیاس ہے جس کے متعلق یہ لوگ بڑے زور سے اول من قاس ابلیس کا نعرہ لگایا کرتے ہیں۔ ان کو کسی حدیث سے اس کا ثبوت دینا چاہیئے کہ قرأت کا وجوب حالت قیام کے ساتھ مخصوص ہے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث لاصلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب۔ میں تو قیام کی شرط مذکور نہیں۔ اگر کسی حدیث میں یہ قید مذکور ہے تو معلوم ہوا کہ آپ ایک حدیث سے دوسری حدیث کو مقید کر سکتے ہیں۔ پھر حنفیہ نے کیا جرم کیا جو دوسری حدیث من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ سے حدیث عبادہ کو منفرد اور امام کے ساتھ خاص کرتے ہیں؟ پھر یہ بھی خوب رہی کہ جب حالت بدل گئی حکم بھی بدل گیا۔ اول اس کو تو ثابت کیجئے کہ رکوع کرنے سے حالت کیا بدل گئی؟ کیا نماز ختم ہو گئی یا نمازی بدل گیا؟ آخر یہ مسئلہ کس حدیث سے آپ نے معلوم کیا کہ رکوع کرنے سے نماز یا نمازی کی حالت بدل جاتی ہے؟ حدیث ابو بکرہ اور ان جملہ احادیث سے جو رکوع پالینے سے رکعت کے پانے پر دلالت کرتی ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ شارع علیہ السلام کی نظر میں رکوع قیام کے حکم میں ہے جبھی تو رکوع پالینے سے رکعت مل جاتی ہے البتہ سجدہ قیام کے حکم میں نہیں ہے کہ سجدہ پانے سے رکعت نہیں ملتی اور جب رکوع بحکم قیام ہے تو رکوع سے حالت نہیں بدلی پس رکوع پانے والے پر رکوع میں قرأت فاتحہ فرض ہونی چاہیئے چنانچہ بعض صحابہ اس طرف گئے بھی ہیں۔ ملاحظہ ہو جزء القرأت بیہقی ص ۶۸

عن حسان بن عطیۃ عن ابی الدرداء قال لاتترک الفاتحۃ خلف الامام زاد ابن ابی الحواری وان کان راکع وفی روایۃ اخری عن ابی الدرداء قال لو ادرکت الامام وھو راکع لاحببت ان اقرأ بفاتحۃ الکتاب۔

حسان بن عطیہ حضرت ابو الدرداء سے روایت کرتے ہیں انھوں نے فرمایا کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ چھوڑو چاہے رکوع میں ہی پڑھ لو دوسری روایت میں ہے کہ ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر میں امام کو رکوع میں پاؤں تو اس کو پسند [illegible] کہ سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا تھا۔ آگے بیان کی بلا جانے کہ قیاس ابلیس کس قسم کا تھا اور قیاس مجتہد کسے کہتے ہیں ۱۲

کروں گا کہ سورۂ فاتحہ (رکوع میں بھی) پڑھ لوں - اس اثر سے صاحب تکمیل کی ساری بنی بنائی عمارت منہدم ہو گئی۔ معلوم ہو گیا کہ رکوع سے حالت کچھ نہیں بدلی بلکہ رکوع میں بھی قیام کی طرح قرأت فاتحہ ہو سکتی ہے اور اس اثر کو ضعیف نہیں کہہ سکتے کیوں کہ امام بیہقی نے بطور حجت کے اس کو پیش کیا ہے - پس صاحب تکمیل کا یہ نتیجہ نکالنا کہ جیسے شریعت کا یہ حکم ہے کہ کوئی رکعت بغیر فاتحہ کے نہیں ہوتی ویسے ہی شریعت کا یہ بھی حکم ہے کہ رکوع میں ملنے سے (رکعت) ہو جاتی ہے۔ حنفیہ وحنابلہ کے استدلال کے وزنی ہونے کا اقرار ہے کہ جب رکوع میں ملنے سے رکعت مل جاتی ہے اور رکوع میں سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں حالانکہ رکوع بحکم قیام ہے تو معلوم ہوا کہ حالت قیام میں بھی مقتدی پر فاتحہ پڑھنا فرض نہیں امام کی قرارت کافی ہے صاحب تکمیل کا یہ کہنا کہ رکوع میں جانے سے حالت بدل گئی اور مثال میں مسافر و مقیم کا مسئلہ بیان کرنا ان کی جس بدحواسی کو ظاہر کر رہا ہے ناظرین نے اندازہ کر لیا ہوگا -

حق یہ ہے کہ جو لوگ مقتدی کے ذمہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کو فرض کہتے ہیں ان کو یا تو یہ ظاہریہ کی طرح اس کا قائل ہونا چاہیئے کہ رکوع پانے سے رکعت نہیں مل سکتی یا پھر حضرت ابوالدرداء کی طرح اس کے قائل ہو جائیں کہ امام کو رکوع میں پالے تو رکوع ہی میں سورۂ فاتحہ پڑھ لے اگر وہ جمہور کی طرح اس کے قائل ہونگے کہ رکوع پانے سے رکعت مل جاتی ہے اور رکوع میں فاتحہ پڑھنا فرض نہیں تو پھر وہ کسی طرح بھی مقتدی پر قرارت فاتحہ کو فرض نہیں کہہ سکتے - رہا یہ کہ حنفیہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ میں قیام فرض ہے اور اس حالت میں ابوبکرہ صحابی کو قیام بھی نہیں ملا اور بغیر قیام کے ان کی وہ رکعت ہو گئی پس معلوم ہوا کہ قیام بھی فرض نہ رہا الخ اس سے صاحب تکمیل کی بدحواسی ظاہر ہے میں پوچھتا ہوں کہ حضرت ابوبکرہ نے تکبیر تحریمہ بھی کہی تھی یا نہیں ؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو حدیث میں اس کا ذکر کہاں ہے ؟ اگر کہا جائے کہ تکبیر کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں کیوں کہ معلوم ہے کہ بغیر تکبیر تحریمہ کے نماز نہیں ہو سکتی تو ہم کہتے ہیں قیام کے ذکر کی بھی ضرورت نہیں کیوں کہ معلوم ہے کہ تکبیر تحریمہ بغیر قیام کے صحیح نہیں ہوتی علامہ شوکانی اور امام طحاوی نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ تکبیر تحریمہ بغیر قیام کے صحیح نہیں ہو سکتی اور اگر جواب نفی میں ہے تو یہ ساری امت کے خلاف ہے تکبیر تحریمہ کے بغیر کسی کے نزدیک بھی نماز صحیح نہیں ہو سکتی -

اس کے بعد دوسری دلیل حضرت ابوہریرہ کی حدیث ابوداؤد کے حوالے سے مختصر نقل کی گئی ہے ہم نے اس کو اپنے دلائل میں مفصل بیان کر دیا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر جس میں جہر کیا تھا فرمایا کیا تم میں سے کسی نے میرے ساتھ اس وقت قرارت کی ہے ایک شخص نے کہا ہاں یا رسول اللہؐ میں نے قرارت کی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بھی کہوں یہ کون مجھ سے قرآن چھین رہا ہے ؟ جب لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سنی تو صحابہ اس نماز میں قرارت کرنے سے رک گئے جس میں حضورؐ جہر کے ساتھ قرارت کرتے تھے اس کو امام مالک نے مؤطا میں امام شافعی نے مسند میں ائمہ اربعہ نے سنن میں روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس کی تحسین کی اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے - اس دلیل کا جواب صاحب تکمیل نے یہ دیا ہے کہ "صحابہ قرارت کرنے سے رک گئے" یہ لفظ مدرج ہے مرفوع نہیں ہے یہ زہری تابعی کا قول ہے ٭

میں پہلے بتلا چکا ہوں کہ ابوداؤد نے اس کو معمر کے واسطہ بھی روایت کیا ہے اور اس میں تصریح ہے کہ حضرت ابوہریرہ ...

٭ یعنی راوی نے بڑھا دیا ہے - صحابی کا قول نہیں ۱۲ -

نے فرمایا "لوگ جہری نماز میں قرارت سے رک گئے" اور معمر ثقہ متقن ہے ان سے روایت کرنے والا احمد بن السرح بھی ثقہ ثبت ہے پس یہ دعویٰ غلط ہے کہ یہ زہری کا قول ہے۔ پھر اگر زہری کا قول بھی ہو تو یہ زہری کا فتوی تو نہیں بلکہ ایک واقعہ کی خبر ہے اور زہری مغازی و سیر و اخبار رسول میں امام وقت ہے۔ زمانۂ رسول کے واقعات بیان کرنے میں اس کا قول حجت ہے۔ صاحب تکمیل کا یہ کہنا کہ اس سے نماز سری میں قرارت کی ممانعت نہیں پائی جاتی" تو سری نمازوں میں قرارت سے ہم بھی منع نہیں کرتے۔ مگر جہری میں تو قرارت کی ممانعت ثابت ہو گئی اور یہی ہمارا مدعا ہے۔ اس کے بعد صاحب تکمیل فرماتے ہیں کہ مطلب حدیث کا صاف ہے کہ سورہ فاتحہ کے بعد جب امام جہری نمازوں میں کوئی سورت پڑھے تو مقتدی خاموش ہو کر سنے الخ مگر وہ یہ تو بتلائیں کہ یہ مطلب اس حدیث کے کس لفظ سے معلوم ہوا؟ ظاہر ہے کہ فانتهى الناس عن القراءت فی ماجهر فيه النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالقراآت (پس لوگ قرارت کرنے سے رک گئے ان نمازوں میں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرارت جہر سے کرتے تھے) ان الفاظ میں فاتحہ یا غیر فاتحہ کا کوئی ذکر نہیں بلکہ مطلقاً قرارت سے رک جانا مفہوم ہو رہا ہے۔ اگر کہا جائے کہ دوسری حدیث سے یہ قید بڑھائی گئی ہے جس میں ابوہریرہ کا اپنے شاگرد کو حکم ہے اقرا بها فی نفسک۔ کہ سورۂ فاتحہ اپنے نفس میں پڑھ لیا کرو تو اس کا مطلب ہمارے نزدیک یہ ہے کہ دل میں پڑھ لیا کرو۔ اور اگر ایک حدیث میں دوسری حدیث سے تم ایک قید بڑھا سکتے ہو تو حنفیہ نے کیا جرم کیا جو وہ حدیث عبادہ لاصلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب۔ میں دوسری احادیث کی وجہ سے هذا اذا کان وحدہ کی قید بڑھاتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ کی قرآت کے بغیر نماز نہ ہونا اس وقت ہے کہ تنہا نماز پڑھ رہا ہے اور یہ قید خود راوی حدیث سفیان بن عیینہ نے بڑھائی ہے اور امام احمد بن حنبل رح نے حضرت جابر رض کی روایت سے اس کی تائید کی ہے اور حدیث صحیح اذا قرا فانصتوا بھی اس کی موید ہے۔ فما ھو جوابکم فہو جوابنا صاحب تکمیل کا ترمذی کے قول کو نقل کرنا اور امام احمد کے قول کو چھوڑ دینا اور امام الکلام سے سہارا ڈھونڈنا ان کی جس بیچارگی کو ظاہر کر رہا ہے اہل علم خوب سمجھ سکتے ہیں۔

تیسری دلیل کے جواب میں تو صاحب تکمیل نے کمال کر دیا ایک تو حضرت جابر کی حدیث من صلی رکعۃ لم یقرأ فیھا بام القرآن فلم یصل الا ان یکون وراء الامام (جس نے کوئی رکعت بغیر فاتحہ کے پڑھی اس نے نماز نہیں پڑھی مگر یہ کہ امام کے پیچھے ہو) اس کا مطلب آپ نے یہ نکالا کہ مقتدی کی وہ رکعت جس میں اس نے امام کو حالت رکوع میں پالیا ہو صرف یہ رکعت اس کی بلا فاتحہ درست ہے" بھلا موطا مالک اور ترمذی نے حضرت جابر رض سے جو الفاظ نقل کئے ہیں۔ ان سے کسی کا فہم بھی اس مطلب کی طرف پہونچ سکتا ہے جو صاحب تکمیل نے گھڑا ہے لفظ الا وراء الامام کو مسبوق کی اس رکعت سے کیا واسطہ جو بحالت رکوع پائی گئی ہے" ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ اسی کو کہتے ہیں اگر ایسے ہی دور دراز مطالب بیان کر دینے سے دوسرے کے دلائل کا جواب دیا جا سکتا ہے تو بخدا آپ ایک دلیل سے بھی اپنا مدعیٰ ثابت نہ کر سکیں گے۔

یہ تو حدیث کے معنی میں بے تکی تاویل تھی اب صاحب تکمیل کی دیانت سند کی بحث میں ملاحظہ ہو۔ اول تو آپ نے اثر جابر کو موقوف قرار دے کر یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ قول صحابی حدیث مرفوع کے خلاف ہے تو وہ عند الحنفیہ مقبول نہیں مگر وہ پہلے تو یہ ثابت کریں کہ حضرت جابر کا یہ قول حدیث مرفوع کے خلاف کیوں کر ہے؟ حدیث اذا قرأ فانصتوا کے وہ خلاف نہیں اور حدیث من کان له امام فقرآت الامام له قرآۃ ـــ کے بھی موافق ہے رہی حدیث عبادہ تو ترمذی نے امام احمد بن حنبل کا قول نقل کر دیا ہے کہ وہ حضرت جابر کے اس قول ہی کی وجہ سے حدیث عبادہ کو منفرد پہ

محمول کرتے ہیں۔ کیوں کہ حدیث عبادہ میں امام یا مقتدی سے کچھ بھی تعرض نہیں۔ پھر آپ نے ترمذی کے محشی اور مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کو ناواقف قرار دیتے ہوتے یہ کل کہلائے ہیں کہ ان لوگوں نے اس اثر کو طحاوی کے حوالے سے مرفوع لکھا ہے حالانکہ خود امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں اس کی پرزور الفاظ میں تردید کی ہے پھر طحاوی سے ایک عبارت نقل کردی من ذالک حدیث یحیی بن السلام من شعبة فهو منکر الخ منجملہ ان کے حدیث یحیی بن سلام کی شعبہ سے ہے سو وہ حدیث منکر ہے جس سے ہر دیکھنے سننے والا یہی سمجھے گا کہ امام طحاوی نے یحیی بن سلام کی اس حدیث کو منکر کہا ہوگا جو حضرت جابر سے مروی ہے حالانکہ طحاوی کا یہ قول حدیث جابر کے متعلق اصلاً نہیں بلکہ مناسک حج کی اس حدیث کے متعلق ہے جو یحیی بن سلام نے شعبہ سے ابن ابی لیلی سے زہری سے سالم سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ تمتع کرنے والا اگر ہدی نہ پائے تو ایام تشریق میں روزہ رکھ لے اور محدثین کے اصول پر اس حدیث کے مرفوع ہونے کو منکر قرار دیا ہے اور بتلایا ہے کہ یہ عبداللہ بن عمر کا قول ہے کیوں کہ یحیی بن سلام اور ابن ابی لیلی کے حفظ میں محدثین کو کلام ہے اس کے بعد طحاوی نے یہ بھی فرمایا ہے مع انی لا احب ان اطعن علی احد من العلماء بشیٔ ولکن ذکرت ما یقول اهل الروایة فی ذالک اھ ص۳۶۵ ج۱

یعنی اگرچہ میں علماء میں سے کسی پر بھی طعن کرنا پسند نہیں کرتا لیکن اہل روایت نے جو کچھ کہا ہے وہ میں نے ذکر کر دیا ہے۔ اس جگہ صاحب تکمیل نے چند خیانتیں کی ہیں ایک یہ کہ طحاوی نے یحیی بن سلام کی اس حدیث کو منکر کہا تھا جو وہ شعبہ کے واسطے سے جواز صوم ایام تشریق میں روایت کرتا ہے اس حدیث کو ہرگز منکر نہیں کہا جس کو ص۱۰۷ ج۱ امام مالک کے واسطے سے وہب بن کیسان سے حضرت جابر رضہ سے قرات خلف الامام کے متعلق مرفوعاً روایت کیا گیا ہے۔

دوسرے جس حدیث کو طحاوی نے یحیی بن سلام وابن ابی لیلی کے ضعف کی وجہ سے منکر کہا تھا وہاں بھی پرزور تردید نہیں کی تھی بلکہ صاف کہدیا تھا کہ میں خود کسی عالم پر طعن کرنا نہیں چاہتا صرف اہل روایت کا قول نقل کر رہا ہوں اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خود طحاوی کے نزدیک یحیی بن سلام اور ابن ابی لیلی ضعیف یا مطعون نہیں ہیں اس پر یہ دلیری اور بیباکی کہ خود تو خیانت کا ارتکاب کریں اور محشی ترمذی اور مولانا احمد علی صاحب پر خدا سے نہ ڈرنے کا الزام لگائیں۔

تیسرے کتب رجال سے یحیی بن سلام کا ترجمہ بھی نہ دیکھ لیا۔ جس سے معلوم ہو جاتا کہ بعض محدثین نے اس کو ثقہ بھی کہا ہے اور ایسا راوی حسن الحدیث ہوتا ہے اور صحیح اور حسن کا راوی اگر ایسی زیادتی کرے جو جماعت کے خلاف نہ ہو تو اس کی زیادت مقبول ہے ملاحظہ ہو شرح نخبہ ص۴۲ اور ظاہر ہے کہ موقوف کو مرفوع کرنا ایسی زیادت نہیں جس کو مخالفت پر محمول کیا جا سکے کیوں کہ حضرات صحابہ کبھی حدیث رسول کو بطور فتوے اپنی طرف سے بیان کیا کرتے تھے کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر حدیث کو مرفوع کرتے تھے۔ اب یحیی بن سلام کا ترجمہ لسان المیزان ص۲۶۰ ج۶ سے ملاحظہ ہو۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ باوجود ضعف کے اس کی حدیث لکھی جائے۔ ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور کہا کبھی خطا بھی کر جاتا ہے۔ ابوزرعہ رازی نے کہا لا بأس به ربما وهم اس میں کوئی بات نہیں کبھی وہم بھی کر جاتا ہے۔ ابوحاتم نے کہا شیخ بصری صدوق بزرگ ہے اور بہت سچا۔ ابوالعرب نے طبقات قیروان میں اس کا تذکرہ کیا ہے اور کہا:

کان من الحفاظ ومن خیار خلق اللہ ــ حفاظ حدیث میں سے اور بہترین لوگوں میں سے تھا صرف دارقطنی نے اس کو ضعیف کہا ہے ابن عدی نے اس کی منکرات میں حدیث جابر کو ذکر نہیں کیا جو اس وقت زیر بحث ہے نہ طحاوی نے اس کو منکر کہا اور اکثر محدثین نے یحیی بن سلام کی توثیق کی ہے تو اگر اس کی حدیث کو مولانا احمد علی صاحب نے حسن کہدیا تو کیا جرم کیا؟ رہا یہ کہ طحاوی نے

اس کے بعد اسماعیل بن موسیٰ سُدی کا اثر بیان کیا ہے جس میں یہ مضمون ہے کہ اسماعیل نے امام مالک سے پوچھا میں جابر کی اس حدیث کو مرفوع کر دوں؟ امام مالک نے فرمایا خذ وا .... اس میں سب سے پہلے تو اسمٰعیل سدی کا حال معلوم کرنا چاہیئے کہ وہ کس درجہ کا ہے؟ سو اگرچہ بعض محدثین نے اس کی توثیق کی ہے مگر ابن حبان نے ثقات میں اس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عبدان (شیخ بخاری) نے فرمایا کہ ابو بکر بن ابی شیبہ اور نہاد بن السری نے (کہ یہ بھی امام بخاری کے مشائخ میں سے ہیں) ہمارے اس کے پاس جانے پر انکار کیا اور یہ کہا یہ شخص فاسق ہے سلف کو برا کہتا ہے ابن عدی کہتے ہیں کہ اس نے امام مالک کی دو حدیثوں کو موصول کر دیا اور شریک سے بھی چند احادیث میں منفرد ہے (کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں) لوگوں نے اس کے غلو فی التشیع کی بنا پر اس کو منکر کہا ہے (یعنی غالی شیعہ ہے اس لئے محدثین نے اس پر انکار کیا ہے) ص۳۳۶ ج ۱ تہذیب۔" ایسے غالی شیعہ کی روایت سے یحییٰ بن سلام جیسے بہترین حافظ کی روایت کو مجروح قرار دینا صاحب تکمیل ہی کی جرأت ہے پھر اس غالی شیعہ نے امام مالک کا جو قول نقل کیا ہے اس سے کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ امام مالک نے اس حدیث کے رفع پر انکار کیا ہے یا اس شخص کے شریک درس ہونے پر ان کے الفاظ یہ ہیں کہ "اس کے پیر پکڑ لو" جس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کو قید کر لو تاکہ حدیث بیان کرنے پائے اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ پیر پکڑ کے یہاں سے نکالدو یہ شیعہ غالی ہمارے درس میں بیٹھنے کے لائق نہیں اس سے یہ کہاں معلوم ہوا کہ امام مالک نے حدیث کے مرفوع ہونے پر انکار کیا ہے اور اگر انکار بھی ہو تو اس کا رفع صحیح نہ ہوگا مگر حسن تو ہو سکتا ہے اور مولانا احمد علی صاحب نے رفع کو حسن ہی کہا ہے صحیح نہیں کہا۔

حنفیہ کی طرف سے چوتھی دلیل یہ بیان کی گئی ہے کہ صحیح مسلم میں قتادہ رضی اللہ عنہ سے واذا قرا۔ فانصتوا وارد ہے (صاحب تکمیل کے الفاظ سے ایسا مفہوم ہوتا ہے کہ وہ قتادہ کو صحابی سمجھتے ہیں۔ یہ غلط ہے کہ حدیث کے راوی حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی صحابی ہیں) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام اور مقتدی کے فرائض کا بیان فرمایا ہے کہ "امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے جب وہ تکبیر کہے تکبیر کہو جب وہ قرأت کرے خاموش رہو جب وہ رکوع کرے رکوع کرو الخ

اس سے ہر شخص جو بھی سنے گا یہی سمجھے گا کہ مقتدی کو امام کی قرأت کے وقت خاموش رہنا چاہیئے۔ ہم نے اس حدیث کو حدیث عبادہ کے معارض یا اس کا ناسخ ہرگز نہیں کہا ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ حدیث عبادہ میں امام یا مقتدی کا کوئی ذکر نہیں اس میں صرف یہ مضمون ہے کہ جو فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں اس کو مقتدی کے متعلق کہنا صحیح نہیں وہ غیر مقتدی کے حق میں ہے اور حدیث ابو موسیٰ صاف طور سے مقتدی کے حق میں ہے۔ اور ہم بتلا چکے ہیں کہ حدیث عبادہ کے راوی سفیان بن عیینہ اور زہری نے بھی اس کو غیر مقتدی کے متعلق سمجھا ہے۔ اب اس کے بعد اہل حدیث کی تاویلات ملاحظہ ہوں وہ کہتے ہیں اذا قرا۔ فانصتوا کا مطلب یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کے سوا اور سورت پڑھنے سے خاموش رہو۔ کوئی ان سے پوچھے کہ حدیث اذا قرا۔ فانصتوا میں فاتحہ یا غیر فاتحہ کا کہاں ذکر ہے جو یہ قید بڑھائی جا رہی ہے؟ حدیث میں تو مطلقاً خاموش رہنے کا ذکر ہے اگر یہ کہا جائے کہ حدیث عبادہ کی وجہ سے یہ قید بڑھائی جا رہی ہے تو اس کی کیا دلیل ہے کہ حدیث عبادہ سے اذا قرا۔ فانصتوا کو مقید کرنا ضروری ہے؟ تطبیق اور توفیق کی یہ صورت بھی تو ہو سکتی ہے کہ حدیث عبادہ کو اس حدیث کی وجہ سے منفرد پر محمول کیا جائے جیسا سفیان بن عیینہ اور امام احمد بن حنبل اور امام زہری نے کیا ہے اور یہی حنفیہ نے اختیار کیا ہے اب صاحب تکمیل اس کی وجہ بتلائیں کہ وجہ تطبیق وہ بیان کرتے ہیں؟ وہی صحیح ہے اور جو وجہ ہم نے بیان کی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ اہل حدیث کو جو منکر تقلید ہیں یہ حق نہیں ہے کہ وہ حدیث اذا قرا۔ فانصتوا کے ظاہر مطلب کو کسی کی تقلید سے

تو ہم کو بھی امام ابو حنیفہ اور احمد بن حنبل بدل دیں اور اگر ان کو بیہقی وغیرہ کی تقلید میں اس حدیث کا ایک مطلب بیان کرنے کا حق ہے تو ہم کو بھی امام ابو حنیفہ اور احمد بن حنبل وسفیان بن عیینہ وزہری کی تقلید میں اس کا وہ مطلب بیان کرنے کا حق ہے جو حدیث کے الفاظ سے بلا تاویل مفہوم ہو رہا ہے۔ رہا یہ کہ اس حدیث اذا قرء فانصتوا کے دوسرے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی نے اپنے شاگرد سے فرمایا تھا اقرء بہا فی نفسک یا فارسی کہ حالت اقتداء میں سورۃ فاتحہ کو اپنے نفس میں پڑھو اس کا مطلب ہمارے نزدیک یہ ہے کہ دل دل میں پڑھو کیونکہ موطا مالک میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی یہ حدیث موجود ہے فانتہی الناس عن القراءۃ فیما جہر فیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ لوگ جہری نمازوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قراءت کرنے سے رک گئے جیسا پہلے گذر چکا ہے جس سے صاف معلوم ہوا کہ جہری نمازوں میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ قراءت خلف الامام کے قائل نہ تھے۔ قال فی غیث الغمام قولہ اقرء بہا المراد من القراءۃ ہہنا القراءۃ فی النفس ای الاخطار بالبال من دون ان یتلفظ بہا ای احضر معانیہا فی نفسک وقلبک فیما حین یقرأ ہا الامام کذا نقلہ الزرقانی فی معناہ عن عیسی وابن نافع اھ۔ یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ اپنے نفس میں سورۃ فاتحہ پڑھ لو اس کا مطلب یہ ہے کہ دل میں پڑھو اور دل سے سوچتے رہو زبان سے تلفظ نہ کرو۔ بلکہ اس کے معانی کو دل میں حاضر کرتے اور سوچتے رہو جب کہ امام سورۃ فاتحہ پڑھے زرقانی نے اسی طرح اس کا مطلب عیسی اور ابن نافع سے نقل کیا ہے اھ ابن نافع امام مالک کے شاگرد ہیں (غیث الغمام) وقال الطحاوی رحمہ اللہ وکان من الحجۃ علیہم فی ذالک ان حدیثی ابی ہریرۃ وعائشۃ اللذین رووہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کل صلوۃ لم یقرأ فیہا بام القرآن فہی خداج لیس فی ذالک دلیل علی انہ اراد بذالک الصلوۃ التی تکون وراء الامام فقد یجوز ان یکون عنی بذالک الصلوۃ التی لا امام فیہا للمصلی واخرج من ذالک المأموم بقولہ من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ فجعل الامام فی حکم من یقرأ بقراءۃ امامہ فکان المأموم بذالک خارجا من قولہ من صلوۃ لم یقرأ فیہا بفاتحۃ الکتاب فصلوتہ خداج اھ ص۱۰۶ ج۱۔

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ جو لوگ قراءت خلف الامام کے قائل نہیں ہیں ان کی حجت مخالفوں پر یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عائشہ رضی کی اس حدیث میں کہ جس نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے اس پر کوئی دلیل نہیں کہ اس سے وہ نماز مراد ہے جو امام کے پیچھے ہو۔ جائز ہے کہ اس سے وہ نماز مراد ہے جس میں مصلی امام کے پیچھے نہ ہو۔ اس حکم سے آپ نے مقتدی کو اپنے دوسرے قول سے کہ جس کا کوئی امام ہو اس کی قراءت مقتدی کے لئے قراءت ہے مستثنی کر دیا ہے جس میں مقتدی کو امام کی قراءت کی وجہ سے حکماً قاری قرار دیا گیا ہے پس مقتدی اس حکم سے مستثنی ہے کہ جو نماز بغیر سورۃ فاتحہ کے پڑھی جائے وہ ناقص ہے۔

اب صاحب تکمیل انصاف سے بتلائیں کہ حدیث اذا قرء فانصتوا کی جو تاویل وہ کر رہے ہیں اس کے صحیح اور حق ہونے کی کیا دلیل ہے؟ جب کہ حدیث میں صاف حکم ہے کہ امام جس وقت قراءت کرے مقتدی خاموش رہیں۔ رہا یہ کہ دار قطنی کی روایت میں ہے اذا قال الامام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فانصتوا کہ جب امام سورۃ فاتحہ ختم کرے خاموش رہو جس سے معلوم ہوا کہ خاموش رہنے کا حکم سورۃ فاتحہ کے بعد ہے تو اہل حدیث کو یہ روایت پیش کرتے ہوئے شرم آنا چاہئے منکر روایت ہے تمام ثقات نے اس کو یوں روایت کیا ہے اذا قال الامام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فقولوا آمین۔ جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تم آمین کہو کسی محدث نے فقولوا آمین کو مختصر الفاظ میں فانصتوا

کے لفظ سے بیان کر دیا ہوگا۔ اس کو کسی عقلمند نے تصحیف اور تبدیل کر کے فانصتوا لکھدیا۔ ایسی مہمل باتوں سے صاحب تکمیل اپنا دل خوش کر لیں مگر سمجھنے والے ان کی بے بسی کو خوب سمجھ چکے ہیں اور اگر ان کو صحیح مان جاتے تو ولا الضالین کے بعد جہر سے آمین کہنا بھی ممنوع ہوگا کیوں کہ حدیث میں ولا الضالین کے بعد خاموش ہونے کا امر ہے فما ھو جوابکم فھو جوابنا۔

پانچویں دلیل حنفیہ کی طرف سے یہ بیان کرتے ہوئے من کان له امام فقراءت له قراءة (جس کا کوئی امام ہو امام کی قرارت اس کے لئے قرارت ہے) صاحب تکمیل نے علامہ سندی حنفی کا سہارا ڈھونڈا ہے کہ اس کی سند میں جابر جعفی ہے جو کذاب ہے اور یہ حدیث صحاح ستہ کی حدیث (عبادہ کے خلاف ہے) اللہ اللہ! تقلید کا انکار کرنے والے بھی سندی حنفی کی تقلید کرتے ہیں یا للعجب!...... اگر وہ سچے اہل حدیث ہوتے تو اس حدیث کے طرق کی تلاش کرتے، تاکہ معلوم ہو جاتا کہ ابن ماجہ کی سند میں جابر جعفی کے ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر سند میں وہی موجود ہو اب سنئے اس حدیث کو حضرات صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔

جابر بن عبداللہ، وعبداللہ ابن عمر وابو سعید خدری۔ وابو ہریرہ۔ وابن عباس۔ وانس بن مالک۔ رضی اللہ عنہم اجمعین حدیث جابر کو جس سند سے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اس میں جابر جعفی ہے مگر اس کی دوسری سند بالکل صحیح ہے جس کو امام محمد نے موطا میں امام ابو حنیفہ سے موسیٰ بن ابی عائشہ سے عبداللہ بن شداد سے حضرت جابر رضہ سے بایں الفاظ روایت کیا ہے من صلی خلف الامام فان قراءة الامام له قراءة جس نے امام کے پیچھے نماز پڑھی تو امام کی قرارت اس کے لئے بھی قرارت ہے۔

اس پر دارقطنی کا یہ فرمانا کہ اس حدیث کو سفیان ثوری اور ابو الاحوص۔ شعبہ۔ اسرائیل۔ شریک۔ ابو خالد دالانی سفیان بن عیینہ وغیرہ نے موسیٰ بن ابی عائشہ سے عبداللہ بن شداد سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مرسلاً روایت کیا ہے (صحابی کا نام حذف کر دیا) اور وہی درست ہے ہم پر حجت نہیں کیوں کہ مسند احمد بن منیع میں اس حدیث کو سفیان ثوری اور شریک القاضی کے واسطہ سے مرفوعاً موصولا روایت کیا گیا ہے۔ پس یہ کہنا غلط ہے کہ امام ابو حنیفہ نے تنہا اس کو موصول کیا ہے اور اگر مان لیا جائے تو ابو حنیفہ ہزاروں محدثین سے بڑھ کر ثقہ ہیں ان کا کسی حدیث کو تنہا موصول کرنا بھی اصول محدثین کی بنا پر واجب القبول ہے۔ یحییٰ بن معین کے زمانہ تک امام ابو حنیفہ پر کسی نے بھی جرح نہیں کی تھی مسئلہ خلق قرآن کا فتنہ رونما ہونے کے بعد بعض محدثین حشویہ نے ان پر جرح شروع کر دی کیوں کہ اس فتنہ میں علماء محدثین پر سختی کرنے والے قاضی عقیدةً معتزلی اور فروعاً حنفی تھے حشویہ نے ان قاضیوں سے اس طرح انتقام لیا کہ امام ابو حنیفہ رح امام ابو یوسف رح اور امام محمد بن حسن شیبانی پر جرح کرنے لگے جو مذہب حنفی کے ستون ہیں۔ ولما سئل ابن معین عنه قال ثقة ما مون ما سمعت احدا ضعفه ھذا شعبة بن الحجاج یکتب الیه ان یحدث وشعبة شعبة۔ جب یحییٰ ابن معین سے امام صاحب کی نسبت سوال کیا گیا فرمایا ثقہ مامون ہیں میں نے کسی کو نہیں سنا کہ ان کو ضعیف کہتا ہے شعبة بن الحجاج ان کو حدیث بیان کرنے کی تاکید خط کے ذریعہ کرتے ہیں اور شعبہ شعبہ ہی ہے۔

بڑے بڑے ائمہ نے امام صاحب کی تعریف کی ہے جیسے عبداللہ بن المبارک اور ان کا شمار تو امام صاحب کے شاگردوں میں ہے اور سفیان بن عیینہ۔ سفیان ثوری۔ حماد بن زید۔ عبدالرزاق۔ وکیع بن الجراح اور یہ تو امام صاحب کے فقہ پر فتویٰ دیا کرتے تھے۔ نیز ائمہ ثلثہ امام مالک وشافعی واحمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم نے بھی امام صاحب کی بہت مدح وثنا کی

ہے عینی شرح بخاری صـ ۱۳ ج ۶ ــ اور تاریخ خطیب بغدادی میں جو بعض بڑے بڑے لوگوں سے امام صاحب کی تضعیف و تنقیص منقول ہے یہ سب فتنہ خلق قرآن کے بعد جماعت حشویہ کی گھڑت ہے کیوں کہ یہ تمام خرافات عموماً مجہولین ، مجروحین ، کذابین کے ذریعہ سے روایت کی گئی ہیں اور خطیب کی وفات کے بہت بعد اس کی تاریخ میں ملحق کی گئی ہیں ۔ خطیب نے ثقات کے ذریعہ سے بجز مناقب و فضائل کے کچھ ذکر نہیں کیا جس کی تفصیل کا شوق ہے ۔ میرا مستقل مضمون خطیب بغدادی اور منکرین حدیث " مطبوعہ رسالہ ماہواری الصدیق ملتان شہر بابت ۱۹۵۷ء، ۵۸ء مطالعہ کریں ۔ رہے دوسرے طرق جو حضرت عبداللہ بن عمرؓ و ابو سعید خدری و ابو ہریرہ و ابن عباس و انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں انکے بعض راویوں پر اگرچہ دار قطنی رح نے کلام کیا ہے مگر ان میں اکثر ایسے ہیں جو بعض محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں پھر اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ چند ضعیف مل کر حسن اور کبھی صحیح کے درجہ پر پہنچ جاتے ہیں ۔ پس یہ کہنا غلط ہے کہ حنفیہ کے گھر کا فیصلہ ہے کہ یہ حدیث قابل تسلیم نہیں اگر صاحب تکمیل عینی شرح بخاری کا مطالعہ کر لیتے تو معلوم ہو جاتا کہ حنفیہ کے نزدیک یہ حدیث بالکل صحیح بلکہ صحیح سے بھی اوپر ہے کیوں کہ اس کو خود امام محمد نے امام ابو حنیفہ سے موطا اور کتاب الآثار میں بسند صحیح روایت کیا ہے پھر امام دار قطنی نے جو اس کو مرسلاً صحیح کہا ہے ۔ ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ عبداللہ بن شداد صحابی صغیر ہیں اور جب امام شافعی کے نزدیک سعید بن المسیب جیسے تابعی کبیر کا مرسل قابل قبول ہے تو صحابی صغیر کا مرسل بدرجۂ اولیٰ مقبول ہو گا کیوں کہ مراسیل صحابہ کو بالاتفاق سب نے قبول کیا ہے ۔ اس کے بعد صاحب تکمیل نے امام بخاری کا ایک فیصلہ نقل کیا اور دعویٰ کیا ہے کہ یہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حدیث من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ عام ہے اور حدیث عبادہ میں الا بام القرآن سے سورۃ فاتحہ کو مستثنیٰ کیا گیا ہے ۔ اس کی ایسی مثال ہوئی جیسے ایک حدیث میں ہے کہ میرے لئے ساری زمین نماز کی جگہ بنائی گئی ہے پھر دوسری حدیث میں الا المقبرۃ والحمام کہہ کر قبرستان وغیرہ کو مستثنیٰ کیا گیا ہے ۔ مگر سوال یہ ہے کہ امام طحاوی نے بھی تو یہی فرمایا ہے کہ حدیث ابو ہریرہ کل صلوٰۃ لم یقرأ فیہا بام القرآن فہی خداج (جس نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھی جائے وہ خداج ہے) عام ہے جس میں سے حدیث من کان لہ امام فقراءۃ لہ قراءۃ نے مقتدی کو مستثنیٰ کر دیا ہے اور اس کو امام کی قراءت کی وجہ سے قاری قرار دیا گیا ہے تو اس کی کیا وجہ کہ امام بخاری کا قول تو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے اور امام طحاوی کا قول آب زر سے لکھنے کے قابل نہ ہو یہ محض تنگ نظری اور عصبیت ہے اور کچھ نہیں ۔ حالانکہ لفظ قراءت کو عام کہنا غلط ہے اور حدیث ابو ہریرہ میں کل صلوٰۃ کا عام ہونا صحیح اور واضح ہے پھر ہم بتلا چکے ہیں کہ حدیث عبادہ میں جملہ استثنائیہ الا بام القرآن کو امام فن یحییٰ بن معین نے ضعیف کہا ہے اس کی وجہ سے حدیث من کان لہ امام الخ میں تاویل کرنا صحیح نہیں اور حدیث من کان لہ امام صحیح حدیث ہے نیز حدیث مسلم اذا قرأ فانصتوا اور نص قرآن واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا کے موافق ہے اس کو حدیث عبادہ رضؓ اور حدیث ابو ہریرہ رضؓ کے لئے مخصص قرار دینا درست ہے ۔ پس امام طحاوی کا قول بہت وزنی ہے جس کے سامنے امام بیہقی وغیرہ کی تاویل کی کوئی حقیقت نہیں ۔ رہا یہ کہ دار قطنی (اور بیہقی) نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے ظہر یا عصر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھی تھی آپ نے نماز کے بعد دریافت کیا یہ کون میرے پیچھے قراءت کر رہا تھا ؟ تین بار دریافت فرمایا ایک شخص نے کہا میں نے قراءت کی تھی فرمایا میں دیکھ رہا تھا کہ تم قرآن میں مجھ سے منازعت کر رہے تھے جو شخص امام کے پیچھے قراءت کرے اس کو امام کی قراءت

کافی ہے الخ تو یہ حدیث تو حنفیہ کی دلیل تھی جس کو مغالطہ کے طور پر صاحب تکمیل اپنی دلیل بنا رہے ہیں۔ حدیث سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ اس شخص نے آہستہ قرات کی تھی اگر جہر سے قرات کی ہوتی تو حضورؐ کو تین بار دریافت کرنے کی نوبت نہ آتی صحابہ پہلے ہی سوال پر کہہ دیتے کہ فلاں نے قرات کی تھی پھر آپ کا یہ فرمانا کہ جو امام کے پیچھے نماز پڑھے امام کی قرات اس کے لئے قرات ہے صاف بتلا رہا ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کو قرات نہ کرنا چاہیئے اس سے یہ سمجھنا کہ سورۂ فاتحہ کے سوا اور کوئی سورت نہ پڑھے زبردستی کی تاویل ہے جو ہرگز حضورؐ کے ارشاد سے مفہوم نہیں ہو سکتی بلکہ اس سے تو یہ معلوم ہو رہا ہے کہ سری نمازوں میں بھی آپ کو مقتدی کی قرات گوارا نہ تھی۔ اور یہ کہ عام طور سے صحابہ حضورؐ کے پیچھے قرات نہ کرتے تھے ایک دو نا واقف ایسا کرتے تو حضورؐ ان کو قرات سے روک دیتے تھے اگر سب صحابہ قرات کرتے ہوتے تو بقیہ مقتدی یہ ضرور کہتے کہ ہم نے تو صرف سورۂ فاتحہ پڑھی تھی مگر ایسا نہیں ہوا بلکہ سب خاموش رہے۔ پھر قرات کرنے والے نے بھی یہ نہیں کہا کہ میں نے سورۂ فاتحہ اور سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھی تھی اس نے بھی صرف سبح اسم ربک الاعلیٰ کی قرات کا اقرار کیا جس سے معلوم ہوا کہ قرات فاتحہ خلف الامام کا صحابہ کو اہتمام نہ تھا پھر اگر قرات فاتحہ خلف الامام لازمی تھی تو اس شخص کو آپ مطلقاً قرات سے منع نہ کرتے بلکہ صاف فرما دیتے کہ فاتحہ کے سوا کچھ نہ پڑھا کرو حضرت جابر کی حدیث کے کسی طریق میں بھی قرات فاتحہ کا استثناء مذکور نہیں اور حدیث عبادہ کے جملۂ استثنائیہ کا حال اوپر گذر چکا ہے کہ ائمہ حدیث نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے پس حنفیہ کی دلیل کو اپنی دلیل بنانے والا خود جہالت کا ارتکاب کر رہا ہے وہ اس خطاب کا جو دوسروں کو دے رہا ہے خود ہی مستحق ہے —

اس کے بعد چھٹی دلیل عبداللہ بن مسعود کی حدیث کنز العمال کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے اذا صلی احدکم خلف الامام فلیصمت فان قراءتہ لہ قراءۃ وصلوٰتہ لہ صلوٰۃ (جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے خاموش رہے کیونکہ اس کی قرات اس کے لئے قرات ہے اور اس کی نماز اس کی نماز ہے) اس حدیث کو اول تو ضعیف کہا گیا ہے مگر ہم بتلا چکے ہیں کہ یہ حدیث چند صحابہ کی روایت سے ہے جن میں عبداللہ بن مسعود صحابی کا بھی اضافہ ہو گیا۔ اور حدیث ضعیف کا تعدد طرق سے حسن یا صحیح کے درجہ پر پہنچ جانا اصول حدیث میں مصرح ہے پھر اس حدیث کے بعض طرق یقیناً صحیح ہیں اور بعض حسن ہیں جیسا پہلے اپنے دلائل میں ہم بیان کر چکے ہیں اور یہ بھی گذر چکا ہے کہ حافظ ابن حجر نے اس حدیث کو حضرت جابر کی روایت سے مشہور قرار دیا ہے اور حدیث مشہور کا جو درجہ ہے اہل حدیث اس سے ناواقف نہیں ہے پھر اس میں بھی وہی بے تکی تاویل کی گئی ہے کہ لفظ قرات عام ہے جس سے بوجہ حدیث عبادہ کے سورۂ فاتحہ مستثنیٰ ہے الخ اس تاویل کا لغو ہونا ابھی بیان ہو چکا ہے پھر ایک عجیب الزام دیا گیا ہے کہ اگر جملہ فان قراءتہ لہ قراءۃ سے یہ مطلب لیا گیا کہ امام کی قرات مقتدی کو کافی ہے اس کو سورہ فاتحہ پڑھنے کی ضرورت نہیں تو جملہ وصلوٰتہ لہ صلوٰۃ کا بھی یہی مطلب ہو گا کہ امام کی نماز مقتدی کو کافی ہے تو اقتداء کے بعد ارکان نماز مثلاً رکوع وسجود وغیرہ کی بھی مقتدی کو ضرورت نہ ہو گی —

اس کا جواب یہ ہے کہ صاحب تکمیل کے نزدیک صلوٰۃ نام ہی سورۂ فاتحہ کا ہے جیسا حدیث قسمت الصلوٰۃ بینی وبین عبدی کی تفسیر میں صفحہ ۵۴ پر امام رازی سے نقل کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث میں سورۂ فاتحہ کو صلوٰۃ فرمایا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اگر فاتحہ نہ ہو تو نماز ہی نہیں الخ جب آپ کے نزدیک سورۂ فاتحہ ہی کا نام صلوٰۃ ہے تو حدیث ابن مسعود کا حاصل یہ ہو گا کہ امام کی قرات مقتدی کی قرات ہے اور اس کی سورۂ فاتحہ مقتدی

فاتحہ کا ذکر اس لئے فرمایا گیا کہ شاید کوئی یہ سمجھے کہ قرات خاص کر آئی
کی سورۂ فاتحہ اس کو خود پڑھنے کی ضرورت نہیں اور قرات کے بعد خاص سورۂ فاتحہ کا ذکر اس لئے فرمایا گیا کہ شاید کوئی یہ سمجھے کہ قرات سے مراد ماسوائے فاتحہ ہے اس لئے اس شبہ کو رفع کر دیا گیا یہ تو الزامی جواب تھا دکھیں صاحب تکمیل اس الزام کو کس طرح اپنے اوپر سے دفع کرتے ہیں۔

تحقیقی جواب یہ ہے کہ جملہ و صلوٰۃ لہ صلوٰۃ کا وہی مطلب ہے جو حدیث الامام ضامن کا مطلب ہے کہ امام کی نماز صحۃ و فساداً متضمن صلوت مقتدی ہے یعنی اگر امام کی نماز صحیح ہوگی اس کی بھی صحیح ہوگی اس کی فاسد ہوگی تو اس کی بھی فاسد ہوگی چنانچہ ابو داؤد کی ایک روایت میں اسی مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے قال وحدثنا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لقد اعجبنی ان تکون صلوٰۃ المسلمین او المومنین واحدۃ الخ۔ حضرت معاذ بن جبل نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی نماز ایک نماز ہو الخ۔ جماعت کی نماز کو آپ نے ایک نماز قرار دیا ہے الگ الگ بہت سی نمازیں قرار دی نہیں اور عرفاً و عادتاً بھی جماعت کی نماز کو ایک ہی نماز شمار کیا جاتا ہے اور اسی لئے کہ جماعت کی نماز ایک نماز ہے سترہ صرف امام کے سامنے کافی ہے ہر مقتدی کے آگے الگ الگ سترہ کی ضرورت نہیں تو ایک نماز کے لئے ایک قرات اور ایک ہی فاتحہ کافی ہے ہر ایک کو قرات کی ضرورت نہیں بقیہ ارکان کو قرات پر قیاس کرنا غلط ہے کیوں کہ امام کی قرات کے لئے تو استماع و انصات کا قرآن و حدیث میں صاف حکم ہے اور رکوع و سجدہ کے لئے نیابت کافی نہیں سمجھی گئی بلکہ مقتدیوں کو صاف حکم ہے اذا رکع فارکعوا واذا سجد فاسجدوا جب امام رکوع کرے تم بھی رکوع کرو جب وہ سجدہ کرے تم بھی سجدہ کرو اور یہی عام عادت بھی ہے کہ جب دربار شاہی میں بہت سے لوگ ایک درخواست لے کر پہنچتے ہیں تو افعال تعظیمی تو ہر شخص بجالاتا ہے مگر گفتگو رئیس وفد کرتا ہے ہر شخص الگ الگ گفتگو نہیں کرتا اور درخواست قبول ہونے کے بعد پھر ہر شخص شکریہ الگ الگ ادا کرتا اور آداب تعظیمی بجالاتا ہے یہی صورت شریعت نے نماز میں رکھی ہے کہ اول سب تکبیر کہیں آداب شاہی بجالائیں اس کے بعد درخواست پیش کرنا امام کا کام ہے جب وہ سورۂ فاتحہ کے بعد دوسری سورت پڑھتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بمنزلہ جواب کے ہے تو ہر شخص آداب تعظیمی بجالاتا ہے اور رکوع و سجدہ میں شکریہ اور تعظیم کے الفاظ ادا کرتا ہے اگر اہل حدیث انصاف سے کام لیں تو ان کے لئے اتنا سمجھ لینا ہی کافی ہے کہ جس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام اور مقتدی دونوں کے فرائض بیان فرمائے ہیں یعنی حدیث انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذا کبر فکبروا واذا رکع فارکعوا واذا قال سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا اللھم ربنا لک الحمد واذا سجد فاسجدوا الخ امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی اتباع کی جائے جب وہ تکبیر کہے تکبیر کہو جب رکوع کرے رکوع کرو جب سمع اللہ لمن حمدہ کہے اللھم ربنا لک الحمد کہو جب سجدہ کرے سجدہ کرو اس کی کسی روایت میں بھی یہ نہیں ہے واذا قرا فاقرؤا کہ جب امام قرات کرے تم بھی قرات کرو اگر مقتدی کے ذمہ امام کی قرات کے ساتھ قرات فرض یا واجب ہوتی تو اس کا بیان اس حدیث میں ضروری تھا جس میں امام اور مقتدی دونوں کے فرائض بیان کئے جاتے ہیں اس حدیث میں اگر ہے تو اذا قرا فانصتوا ہے کہ جب امام قرات کرے تم خاموش رہو ملاحظہ ہو صحیح مسلم او ر ابو داؤد پس جس کو قرات فاتحہ خلف الامام کے فرض ہونے کا دعویٰ ہے وہ اس حدیث کے کسی طریق میں اذا قرا فاقرؤا دکھلائے کیوں کہ اسی حدیث میں امام اور مقتدی دونوں کے فرائض کا بیان ہے حدیث عبادہ پیش کرنا کافی نہیں کیوں کہ اس میں امام اور مقتدی کے فرائض کا بیان نہیں بلکہ راوی حدیث سفیان بن عیینہ اور زہری وغیرہ نے خود کہہ دیا ہے کہ وہ تنہا نماز پڑھنے والے کے متعلق ہے اور اسی کو امام احمد نے بیان فرمایا ہے۔

ساتویں دلیل صحیح مسلم سے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا گیا ہے لا قراۃ مع الامام فی شیٔ من الصلوٰۃ کہ امام کے ساتھ کسی نماز

میں بھی قرارت نہیں ہے (امام طحاوی کے الفاظ یہ ہیں لا تقرأ مع الامام فی شیئ من الصلوات ورجالہ ثقات امام کے ساتھ کسی نماز میں قرارت نہ کرو اور اس کے راوی سب ثقہ ہیں) اس کے بعد وہی بے تکی تاویل اس میں بھی کی گئی ہے کہ یہ اثر ماسوا فاتحہ پر محمول ہے اور ——— دیدہ دلیری کے ساتھ فرماتے ہیں کہ یہ جواب صحیح مسلم کے اسی صفحہ پر موجود ہے الخ کوئی ان سے پوچھے کہ امام نووی کی تقلید کس دن سے واجب ہو گئی جو ان کے جواب کو ماننا حنفیہ پر لازم ہو گیا اور نہ مانیں تو شپرہ چشم کہلائیں۔ مگر جو لوگ امام طحاوی کے جواب کو نہ دیکھیں نہ مانیں ان کے لئے کیا لقب تجویز کیا جائے گا؟ یہ ہے اہل حدیث کی دیانت اور تہذیب کہ اپنے مطلب کی بات کسی جگہ سے مل جائے تو فوراً مقلد بنجاتے ہیں اور اس کے ملنے پر ایسا زور دیتے ہیں کہ گویا آسمان سے وحی نازل ہو گئی ہے کہ اثر زید بن ثابت کا وہی مطلب ہے جو امام نووی نے بیان کیا یا امام بیہقی نے اپنے مذہب کی رعایت وحمایت میں کچھ لکھدیا ہے میں پوچھتا ہوں کہ زید بن ثابت کے اثر میں فاتحہ یا غیر فاتحہ کا ذکر ہی کہاں ہے اور اگر اسی طرح کی تاویلوں سے کام لیا جائیگا تو آپ کی ایک دلیل بھی قائم نہ رہ سکیگی ہر شخص کو اختیار ہو گا کہ آپ کے تمام دلائل کو منفرد پر محمول کر دے اور تائید میں حدیث اذا قرأ فانصتوا اور نص قرآنی اذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا کو پیش کر دے پھر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ آپ کی تاویل اور امام نووی اور بیہقی کا قول تو حجت ہے اور دوسرے کی تاویل اور امام احمد وسفیان بن عیینہ اور زہری اور طحاوی اور علامہ عینی کے اقوال حجت نہ ہوں؟ اگر آپ سچے اہل حدیث ہیں تو صرف حدیث کے الفاظ سے استدلال کیجئے ادھر اُدھر سے اپنی قیدیں نہ بڑھایئے اس راستہ سے آپ چلیں گے تو انشاءاللہ حنفیہ کے مسلک کی قوت کھلی آنکھوں نظر آجائے گی آپ نے حنفیہ کے جتنے دلائل پر کلام کیا ہے وہ صاف الفاظ میں قرارت فاتحہ خلف الامام کے ممنوع ہونے یا فرض وواجب نہ ہونے کو ظاہر کر رہے ہیں مگر آپ امام نووی یا بیہقی یا امام رازی وغیرہ کی تقلید کا سہارا لے کر ان میں وہ تاویلیں کرتے ہیں جس کا آپ کو کوئی حق نہیں ڈوبتے کو تنکے کا سہارا اسی کا نام ہے اخیر میں امام احمد بن حنبل اور علامہ ابن تیمیہ کا قول پھر یاد دلاتا ہوں امام احمد فرماتے ہیں "ہم نے اہل اسلام میں سے کسی کو یہ کہتے نہیں سنا کہ جب امام قرارت جہر سے کر رہا ہو اور اس کے پیچھے مقتدی قرارت نہ کرے تو ان کی نماز صحیح نہ ہوگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ اور تابعین اور اہل حجاز میں امام مالک اہل عراق میں امام سفیان ثوری اہل شام میں امام اوزاعی اہل مصر میں امام لیث بن سعد ان میں سے کوئی یہ نہیں کہتا کہ جو شخص مقتدی ہو اور اس کا امام قرارت کر رہا ہو وہ قرارت نہ کرتا ہو تو اس کی نماز باطل ہے اھ موفق ابن قدامہ نے امام احمدرح کا یہ قول نقل کر کے اس مسئلہ میں اجماع کا دعوی کیا ہے صلا ۶۰۶ ج ۱ علامہ عینی نے شرح بخاری میں فرمایا ہے کہ قرارت خلف الامام کی ممانعت بڑے بڑے اسی صحابہ سے منقول ہے جن میں حضرت علی رض اور عبادلہ ثلثہ (عبداللہ بن مسعود رض عبداللہ بن عمر رض۔ عبداللہ بن عباس رض) بھی ہیں محدثین کو ان کے صحابہ کے نام معلوم ہیں ان حضرات کا اس پر اتفاق کرنا بمنزلہ اجماع کے ہے اسی لئے صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ ترک قرارت خلف الامام پر صحابہ کا اجماع ہے اکثر کے اتفاق کو اجماع کہدیا گیا کیوں کہ ہمارے نزدیک اس کو بھی اجماع کہا جاتا ہے اور شیخ امام عبداللہ بن یعقوب حارثی نے اپنی کتاب کشف الاسرار میں فرمایا ہے کہ عبداللہ بن زید بن اسلم نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے دس حضرات قرارت خلف الامام سے بہت سختی کے ساتھ منع فرماتے تھے (جن کے نام یہ ہیں) ابوبکر صدیق رض عمر بن الخطاب رض، عثمان بن عفان علی ابن طالب رض، عبدالرحمان بن عوف رض۔ سعد بن ابی وقاص رض، عبداللہ بن مسعود رض، زید بن ثابت رض۔ عبداللہ بن عمر رض عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اھ۔ اس کے بعد علامہ عینی نے متعدد صحابہ کے اقوال بحوالہ کتب واسانید بیان کئے ہیں جن کو ہم نے اپنے دلائل میں پہلے ہی بیان کر دیا ہے علامہ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب تنوع العبادات میں فرمایا ہے کہ "سلف نے

دسمبر ۰۶ء

فاران کراچی

عام طور پر قرارت خلف الامام کو مکروہ سمجھا ہے جب کہ امام قرارت جہر سے کر رہا ہو اور اکثر ائمہ سورۂ فاتحہ کے بعد سکوت طویل نہ کرتے
تھے (تاکہ مقتدی فاتحہ پڑھ لیں) جہری نمازوں میں (امام کے پیچھے) قرارت کرنے والے بہت کم تھے اور اس سے کتاب اللہ نے بھی
منع کیا ہے اھ۔ اور سنتِ رسول ﷺ نے بھی اور جمہور سلف وخلف بھی اس سے منع کرتے ہیں اور قرارت خلف الامام کی صورت میں نماز
کے باطل ہونے میں اختلاف ہے بعض علماء کے جہری نماز میں بھی مقتدی پر قرارت فاتحہ خلف الامام کو واجب کرتے ہیں اور اگر قرارت
نہ کرے تو نماز کے باطل ہونے میں اختلاف ہے پس نزاع دونوں طرف ہے لیکن جو لوگ قرارت خلف الامام سے منع کرتے ہیں ان کے
ساتھ جمہور سلف وخلف ہیں اور کتاب اللہ بھی اور سنتِ صحیحہ بھی ۔ اور جو لوگ اس حالت میں مقتدی پر قرارت کو واجب کرتے ہیں
ان کی حدیث کو ائمہ نے ضعیف کہا ہے ابوداؤد نے اس کو روایت کیا ہے اور حدیث ابوموسیٰ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس
ارشاد کو واذا قرأ فانصتوا (جب امام قرارت کرے خاموش رہو) امام احمد اور اسحٰق اور امام مسلم وغیرہم نے صحیح بتلایا ہے بخلاف اس حدیث
کے جو حضرت عبادہ سے روایت کی گئی ہے لا تفعلوا الا بام القرآن کہ امام کے پیچھے نہ پڑھے مگر سورۂ فاتحہ وہ صحیح میں شامل نہیں کی
گئی اور اس کا ضعیف ہونا چند وجوہات سے ثابت ہو چکا ہے دراصل وہ حضرت عبادہ کا قول ہے اھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد
نہیں ہے ۔

الحمد للہ کہ آج بروز چہار شنبہ ۲۷ ربیع الثانی سنہ ۱۳۸۰ھ رسالہ تکمیل البرہان کا جواب تمام ہوا جس سے ناظرین کو بخوبی اندازہ ہو گیا
ہوگا کہ مسئلہ قرارت خلف الامام میں امام ابوحنیفہ کا مسلک کتاب اللہ اور سنتِ صحیحہ اور اجماع جمہور سلف وخلف سے مؤید ہے اور
جو اہل حدیث مقتدی کی نماز کو بوجہ ترک قرارت فاتحہ خلف الامام کے باطل کہتے ہیں ان کے پاس کوئی دلیل صریح نہیں بلکہ امام
کے پیچھے قرارت کرنے والوں کی نماز درست ہی ہو جائے تو غنیمت ہے کیوں کہ قرآن میں اور سنتِ صحیحہ میں مقتدی کو قرأت
قرآن کے وقت خاموش رہنے کا حکم ہے قرأت سے منع کیا گیا ہے اور اہل حدیث کے اصول پر نہی کی مخالفت سے عمل باطل ہو جاتا
ہے اگرچہ حنفیہ کے نزدیک باطل نہیں ہوتا پس ان کو امام ابوحنیفہ کا احسان مند ہو جانا چاہیئے کہ وہ قرارت خلف الامام کی وجہ سے
ان کی نمازوں کو باطل نہیں کہتے ورنہ خود اصول اہل حدیث کا مقتضی یہ ہے کہ آیت اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا کی مخالفت
سے جس کا نزول بالاجماع قرارت خلف الامام کے بارے میں ہوا ہے جیسا امام احمد بن حنبل نے فرمایا ہے نیز حدیث صحیح اذا قرأ القرآن
فانصتوا کی خلاف ورزی سے جو صاف طور سے مقتدیوں کے متعلق وارد ہے کہ جب امام قرارت کرے خاموش رہو اہل حدیث کی
نمازیں باطل ہو جانی چاہئیں جیسا صوم یوم النحر کو اسی بنا پر باطل کہتے ہیں کہ شارع کی نہی موجب بطلان عمل ہے امید ہے کہ اہل فہم اس نکتہ
کو سمجھ گئے ہوں گے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عصبیت جاہلیہ سے بچائے اور ائمہ سلف کی عظمت وادب کا پاس کرنے کی توفیق دے اور اس
رسالہ کو مقبول عام وخاص بنائے ۔

جو صاحب اس کو مستقل چھاپنا چاہیں وہ لوح پر اس کا نام فاتحۃ الکلام فی القراءۃ خلف الامام تحریر فرمادیں ۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین والحمد
للہ الذی بنعمتہ وبعزتہ وجلالہ تتم الصالحات ۔